سہ ماہی نئی دہلی

خبر نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر: ۲ جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۸ء شمارہ نمبر: ۴

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط وکتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@vsnl.net

ایڈیٹر پرنٹر وپبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

صفحہ	اسمائے گرامی	مضامین	نمبرشمار
۳	(مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی	صدر بورڈ آپ سے مخاطب ہیں	۱
۶	(مولانا) سید نظام الدین	رمضان کے تقاضے	۲
۸	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	مرکزی دفتر بورڈ دہلی کی سرگرمیاں	۳
۱۷	ڈاکٹر فضل الرحمٰن المدنی	رمضان المبارک اور قرآن	۴
۲۰	مولانا بدر الحسن قاسمی	عربی مسلم سماج	۵
۲۶	مولانا محمد الف نقشبندی	صفائے قلب و باطن	۶
۲۸	عبد القدوس نقوی	شریعت کس لئے؟	۷
۳۷	سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی	اسلامی نظام حیات	۸
۳۹	مولانا اخلاق حسین قاسمی	رحمۃ للعالمین! نذیر مبین	۹
۴۱	ایچ عبد الرقیب	اجماعی نظم زکوٰۃ.....	۱۰
۴۷	مولانا غلام محمد وستانوی	بندۂ مومن کے مسائل کا واحد علاج	۱۱
۴۹	مفتی احمد نادر القاسمی	اسلامی و غیر اسلامی زندگی اور ہمارا طرز عمل	۱۲
۵۳	اے امیر النساء	سپر پاور	۱۳
۵۵	مولانا سید نظام الدین	ارکان بورڈ کے نام خصوصی خط	۱۴

صدر بورڈ آپ سے مخاطب ہیں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صدر بورڈ

محترم ومکرم زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کلکتہ میں منعقد کئے جانے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس میں میں نے بورڈ کے صدر ہونے کے تعلق سے بورڈ کے ارکان اور مدعوین خصوصی کے سامنے جو عرض معروض کی تھی، اس میں بورڈ کی کارکردگی کے تعلق سے کچھ وضاحتیں تھیں اور ان کے ساتھ ہی کچھ گذارشات بھی پیش کی تھیں، مجھے مسرت ہوئی تھی کہ آپ حضرات نے علی العموم ان کو پسند فرمایا جو کہ میرے لئے باعث تقویت ہے۔

بورڈ کو جیسا کہ آپ جانتے ہیں مسلمانوں کے ایک متحدہ پلیٹ فارم کی حیثیت حاصل ہے، اس میں ملت اسلامیہ ہند کے مختلف مسلکوں اور جماعتوں کی نمائندگی ہے، یہ نمائندگان کرام امت کے مشترکہ شرعی مسائل کے سلسلہ میں حسب ضرورت وبتقاضائے وقت غور وفکر کرتے ہیں، اور اس کے کارکن ان کے سلسلہ میں جس عمل کے وہ متقاضی ہیں عمل کرتے ہیں، اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اختلافی مسائل سے بچتے ہوئے متفقہ مسائل کے دائرہ میں کام کیا جائے، اور الحمد للہ بورڈ اس پر عامل ہے اور کسی بھی جماعت کی انتظامیہ میں رایوں کے اختلاف سے جماعتوں کو جو خطرہ پیش آجایا کرتا ہے الحمد للہ اس سے بورڈ ابھی تک محفوظ ہے، لیکن یہ اس وجہ سے ہے کہ بورڈ کو اس سلسلہ میں اس کے ارکان کا تعاون حاصل ہے، اس کے ارکان اپنی رایوں کو امت کے مشترکہ مفاد کے خاطر اس شدت تک لے جانے سے بچتے ہیں جس میں بورڈ کی سالمیت اور اجتماعیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے، یہ الحمد للہ اطمینان اور خوشی کی بات ہے، اور بورڈ کے تحفظ اور بقاء کے لئے اس کی برابر ضرورت ہے۔

رایوں میں اختلاف ہونا فطری وقدرتی بات ہے لیکن اختلاف میں ایسی شدت اختیار کرلینا جس سے ایک دوسرے کی دل آزاری ہو، اور منفی صورت حال پیدا ہونے لگے، اجتماعیت اور اتحاد واتفاق کو نقصان پہنچانے والی بات ہے، امید ہے کہ بورڈ میں اس بات کا لحاظ برابر قائم رہے گا۔

کلکتہ کا اجلاس الحمد للہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا اور اجلاس کے دوران شہر کے صحافی وسماجی حضرات کی طرف سے پورا تعاون بھی ملا، البتہ بعد میں بعض حضرات کی طرف سے بعض باتوں پر اعتراض صحافتی ذریعہ سے منظر عام پر لایا گیا، جس سے بورڈ کی کارکردگی کے سلسلہ میں

عامۃ المسلمین میں بدگمانیاں پیدا ہوسکتی تھیں جو ایسے ادارہ کے لئے جو اس ملک میں شریعت اسلامی کے تحفظ کے کام کے لئے متحدہ شکل میں برابر عمل پیرا ہے، نقصان دہ بات ہوتی، بورڈ کے کسی ہمدرد یا رکن کو کوئی اختلاف یا بدگمانی ہو تو اس کو فوراً عوام الناس کے سامنے لانا اور بغیر کسی تحقیق کے برسر عام اس کو ظاہر کرنا احتیاط کے خلاف بات ہوتی ہے اور اس سے امت کے مشترکہ مفاد کو نقصان پہنچتا ہے، اس لئے آزادانہ انداز میں اظہار کرنے کے بجائے براہ راست ذمہ داروں سے صورت حال معلوم کرنا مناسب ہوتا ہے اور یہ اچھا ہوتا ہے، بورڈ میں باہمی مفاہمت اور تعاون کی فضا بنائے رکھنا ہم سب کا فرض ہے، خاص طور پر اس موجودہ دور میں جبکہ امت کو اور اس کی شریعت کو ہر طرف سے عداوت کا سامنا ہے، اس امت اور اس کی شریعت کے مخالفین اس کے مذہبی وقار و عزت کو کسی نہ کسی شکل میں مجروح کر کے پوری انسانی برادری میں اس کو بے وقعت اور ناقص ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اور طرح طرح کے بہانوں سے اس کی عظمت و اہمیت کو گرانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس کا تدارک اور اس کا مقابلہ الگ الگ ٹکڑیوں کے ذریعہ کرنا بہت کم مفید ہے، اس کے لئے اپنے انفرادی خیال اور ذہن سے بلند ہو کر متحدہ محاذ کے ذریعہ اور متفقہ طور پر اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرات! کسی بھی ملک میں اقلیت کی پوزیشن میں رہنے والی ملت کو اپنے ملی تحفظ کے لئے حکومت کی مدد نہیں حاصل ہوسکتی اس کے لئے امت کو خود ایک مضبوط متحدہ محاذ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے ہی اتحاد سے اس کو تقویت ملتی ہے اور وہ کام انجام پاتا ہے جو حکومت کے ذریعہ انجام دیا، اور اس کا اصل موضوع شریعت کا تحفظ بنایا گیا ہے، اور اس کی اصل طاقت بھی اسی اتحاد میں ہے، اور ہم ملت کی تاریخ پر جب نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جب جب اتحاد میں کمی آئی ملت کو نقصان اٹھانا پڑا، اور ہمارے بورڈ کو بھی اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے خاص طور پر جب بورڈ کے کسی رکن یا بورڈ کے ہمدرد نے کسی مسئلہ میں اپنے اختلاف کو زیادہ اہمیت دی اور کسی طرح کی کوتاہی یا کمزوری محسوس کر کے اس کو ایسی اہمیت سے پیش کیا کہ گویا بورڈ اپنے مقام سے ہٹ گیا اور وہ سخت کوتاہی کا مرتکب ہوا، بلکہ بعض متفقہ فیصلوں کو بھی برسر عام قابل ملامت ظاہر کرنے میں بھی حرج نہیں سمجھا گیا، حالانکہ کثرت آراء سے جو فیصلہ ہوتا ہے اس سے بعض ارکان کو اختلاف ہو تو بھی اکثریت کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو دبا لینا چاہئے، یہی طریقہ کسی متحدہ ادارہ کے کام کرنے میں معاون ہوتا ہے، بورڈ کا انتظامیہ اپنے متعلقہ کاموں میں فکرمندی اور توجہ کے مطابق کام انجام دیتا ہے، اس کے ذمہ دار حضرات انسان ہیں اور انسان سے کسی سبب سے کسی مفوضہ کام میں کمی واقع ہوسکتی ہے، لیکن اس کو انفرادی سطح پر دور کر لیا جائے تو معاملہ صحیح رہتا ہے، اس کو عیب جوئی کا معاملہ نہیں بنانا چاہئے، بورڈ کے ارکان کی عملی ذمہ داری، بورڈ کے سکریٹریٹ کی کارکردگی کی صرف جانچ کرتے رہنا اور اس میں کمزوری نکالنا نہیں ہے بلکہ مخلصانہ و محبانہ انداز میں مشورہ دینا اور امت کے مفاد کے لئے اپنی اپنی سطح پر جو عملی کوشش کر سکتے ہیں وہ کرنا ہے، اگر سارے ارکان یا اکثر ارکان اپنی انفرادی اور جماعتی سطح پر امت کے مسائل میں اپنی اپنی جگہ میں جو حصہ لے سکتے ہیں وہ حصہ لیں تو سکریٹریٹ کے کام کو بڑی تقویت مل سکتی ہے۔

شریعت کے تحفظ کی ذمہ داری تنہا کسی ایک یا دو ادارے قائم کرنے سے ہی پوری نہیں ہوجاتی بلکہ مطلوبہ مقصد کے لئے عملی طور پر ہر

مسلمان اپنی اپنی جگہ جو کرسکتا ہے وہ بھی کرے تو ملت کے بہت سے مسائل خود بخود حل ہوجائیں، پھر نہ دارالقضاؤں کے قیام کی اتنی زیادہ ضرورت پڑے گی جیسی محسوس کی جارہی ہے، نہ اصلاح معاشرہ کمیٹی کو اتنی محنت کرنی پڑے گی جتنی کہ اس کو کرنا ہے، دراصل شریعت کا تحفظ ملت کا اجتماعی مسئلہ بھی ہے اور امت کے ہر فرد کی ذمہ داری بھی ہے، ہمارا ملک بہت بڑا ہے، جس میں ملت پھیلی ہوئی ہے، اس وسیع الاطراف پھیلی ہوئی امت کے لئے بورڈ جیسا محدود وسائل اور محدود مادی قوت رکھنے والا ادارہ بغیر اپنے ہمدردوں اور ارکان کے مثبت تعاون کے بڑا کام انجام نہیں دے سکتا، اس کو کہیں تو کام کرنے والے افراد کے حصول کی کمی اور کہیں مادی ضروریات کو پورا کرنے میں محتاجی اس کے کام کو محدود بناتی رہتی ہے، ہمارے محترم ارکان اس کی طرف توجہ کریں کہ بورڈ کی انتظامیہ کے کام کو کیسے تقویت پہنچا سکتے ہیں اور مسلم عوام وخواص میں تحفظ شریعت پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے وہ کیا کچھ کرسکتے ہیں اس کی طرف توجہ دیں۔

ملک بڑا ہے اور ملت کے مسائل بھی بہت متنوع ہیں، بورڈ اس کے سارے مسائل کا احاطہ نہیں کرسکتا، اور اس کا بنیادی اور اصل کام شریعت کی بقاء اور اس کے تحفظ کا ہے، باقی دیگر مسائل یا وہ مسائل جو بنیادی مسائل نہیں ہیں یا جن میں مسلکوں کا اختلاف ہے ان کو بورڈ اپنی کارکردگی میں عموماً نہیں لیتا، اس کے لئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور ادارے ان کے سلسلہ میں اپنی اپنی جگہ جو محنت کررہے ہیں بورڈ ان کو کافی سمجھتا ہے اور قابل عمل حد تک اس میں جو تعاون ہوسکتا ہے وہ کردیتا ہے۔

اسی طرح بنیادی معاملات میں بھی کوئی نیا مسئلہ اگر اچانک سامنے آجاتا ہے تو اس کے سلسلہ میں بورڈ اپنی رائے کا اظہار کرنے میں جلدی نہیں کرتا، کیونکہ بورڈ کے بیان کے بہت ذمہ دارانہ ہونے کی ضرورت ہے، لہذا جب تک مسئلہ کی وجوہات اور کیفیت پوری طرح معلوم نہ کرلی جائے اس پر فوری طور پر بیان دینا ذمہ داری کے خلاف ہوتا ہے، البتہ بورڈ کا کوئی رکن اگر نئے ابھرنے والے مسئلہ کی اہمیت کو سمجھتے ہی کوئی بیان دیتا ہے تو اصولاً اس کا ذاتی بیان ہونا چاہئے اور صراحت ہونی چاہئے کہ وہ بحیثیت رکن بورڈ کے بیان نہیں دے رہا ہے بلکہ اپنی ذاتی حیثیت سے بیان دے رہا ہے، اور اگر واقعتہً بورڈ کی طرف سے جلد بیان دیئے جانے کی ضرورت محسوس کی جائے تو اس کے لئے بورڈ کے ترجمان، جنرل سکریٹری یا اسسٹنٹ جنرل سکریٹری کو توجہ دلائی جاسکتی ہے، جو بورڈ کی ذمہ دارانہ حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے بیان دیں گے۔

حضرات! بورڈ کے ارکان منتخب حضرات ہیں وہ بورڈ کے وقار اور اہمیت کا خیال رکھیں گے، تو اس کے کچھ کرنے کا کہنے کا وزن ہوگا اور وہ ذمہ داران حیثیت سے کام کرتا رہے گا، اور ملت کو اپنے بنیادی مسائل میں خصوصی مدد حاصل ہوگی، اسی طرح یہ بات بھی عرض کرنے کی ہے کہ بورڈ کے ارکان کا انتخاب مشورہ اور کثرت آراء سے ہوتا ہے، اس میں صدر و سکریٹری بھی محض اپنے عہدہ کی بنا پر رائے نافذ نہیں کرسکتا، کسی وقیع شخصیت کا انتخاب نہ ہو پایا ہو تو اس کو انتظامیہ کی کوتاہی یا زیادتی نہیں سمجھنا چاہئے، اور انتخاب کا عمل تو ہر تیسرے سال ہوتا ہے، کسی ایسی صورت میں موقع مل سکتا ہے۔

بہرحال یہ چند معروضات ہیں، امید ہے کہ ان کو مخلصانہ اور ملت کے مفاد کا لحاظ کئے جانے کے تحت سمجھا جائے گا، تاکہ ہمارا بورڈ سب کے تعاون سے اپنا فرض انجام دیتا رہے۔

اداریہ

رمضان کے تقاضے

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

رمضان کا مہینہ بہت ہی برکت وعظمت والا مہینہ ہے، یہ ان مہینوں میں سے ہے جسے خود قرآن نے محترم قرار دیا ہے، اس ماہ کے محترم ومقدس ہونے کی اہم ترین دلیل خود قرآن کا اس ماہ میں نزول ہے، اس ماہ کی فضیلتوں میں سے ایک اہم فضیلت اس کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کا وجود وثبوت ہے، نیز نیکی وعبادت پر زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کا حاصل ہونا ہے، اس کی دوسری فضیلت دلوں کا نرمی وخشوع کی جانب مائل و راغب ہونا ہے، اس ماہ میں تمام اہل اسلام قرآن کی تلاوت، ذکر وعبادت اور روزہ کے ذریعہ اللہ کی اطاعت میں مصروف ہوتے ہیں اور دیگر مشغولیات سے اپنے آپ کو الگ کر کے اپنی ذاتی تربیت، اصلاح اور بناؤ کی طرف لپکتے ہیں۔

دراصل رمضان ہر مسلمان کو آمادہ و تیار کرتا ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات، قرآنی طرز حیات، قرآنی طرز فکر کو اپنی ذات اور اپنے دل و دماغ میں اتارے اور اللہ کے رنگ میں رنگ جائے۔

اللہ کا فضل واحسان ہے کہ رمضان میں مسلمان اچھے اور نیک کاموں کو خوشدلی اور نیک جذبے کے ساتھ انجام دیتے ہیں، دوسروں کی مدد، خیر خواہی، محتاجوں اور کمزوروں کا مالی تعاون، بیماروں کا علاج و معالجہ، بدحالوں اور بے کسوں کی مدد میں خوشی خوشی لگے رہتے ہیں، اس ماہ میں مسلمان بخل کو ترک کر کے، خرچ کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور مال و دولت جمع کرنے کے بجائے ضرورت مندوں، مسکینوں کو اپنا قیمتی روپیہ پیسہ فی سبیل اللہ دیتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان، مرد و خواتین سب کا یہ مزاج ہے کہ وہ رمضان میں عبادت وتلاوت کے ساتھ ساتھ نفس وقلب کی اصلاح کی طرف بھرپور توجہ دیتے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کرنے، حسنات میں اضافہ کرنے اور اجر وثواب کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ماہ میں ہندوستانی مسلمان اور اصحاب ثروت و ہمت اپنے سرمایہ میں سے اللہ کے نام پر دین کی سربلندی اور اسلامی کاموں کے لئے پیسے، رقومات اور نقدی پیش کرتے ہیں۔

اس وقت ملک میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو مسلمانان ہند کی جملہ تنظیمات، مسالک ومکاتب وفکر، علماء وقانون دانوں اور باثر لوگوں کا ایک ایسا متفقہ ومتحدہ پلیٹ فارم ہے جو شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کے تحفظ کے لئے کوشاں ہے، جو اس ملک میں ملت کو اسلامی تشخصات کے ساتھ زندہ رہنے کا حوصلہ دیتا ہے، جو ۱۹۷۲-۷۳ء میں قائم ہونے کے بعد سے اب تک پورے ملک میں بیسوں بڑے اجلاس کر چکا ہے، جو ہندوستان کی مختلف عدالتوں میں مسلم پرسنل لا کے خلاف دائر پٹیشن اور دیگر مقدمات کے دفاع میں مشغول ہے، جو ملک کے مختلف شہروں میں تفہیم شریعت کے لئے علماء ووکلاء کے مشترکہ اجتماعات منعقد کرنے میں لگا ہے، جو اصلاح معاشرہ کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے مسلسل سرگرم عمل ہے، جو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں دارالقضاء کے قیام اور باصلاحیت قاضیوں کے تقرر کرنے میں منہمک

ہے، جو بورڈ کے مقاصد کی روشنی میں مفید لٹریچر اور اسلامی قانون کی کتابوں کو تیار کرنے میں جٹا ہوا ہے اور جس کے متنوع پروگرام اور منصوبے محض مالیاتی دشواری کی وجہ سے شروع نہیں کئے جا سکے ہیں، جو اکابر علماء ومشائخ، دینی جماعتوں کے رہنماؤں کے جلو میں اعلیٰ مقاصد کے لئے سرگرم عمل ہے، اسی مسلم پرسنل لا بورڈ کو رمضان کے بابرکت مہینہ میں آپ کے خصوصی مالی تعاون واعانت کی واقعی ضرورت ہے کیونکہ بورڈ کے مختلف دینی وشرعی کام اور اہم پروگرام بڑے سرمایہ کے محتاج ومتقاضی ہیں، واضح رہے کہ مسلمانان ہند کے اس متحدہ ومتفقہ پلیٹ فارم کی مالی آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں، سوائے اس کے کہ مسلمانان ہند اپنے طور پر دلچسپی لیتے ہوئے اسے اپنے عطیات سے نوازیں۔

اخلاص، سوز دروں اور ایثار کے ساتھ ساتھ سرمایہ اور فنڈ کی بھی ضرورت ہوتی ہے محض نیت اور آرزو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا مادی ومالی وسائل کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے جس کے بغیر اہم منصوبے پورے نہیں ہو پاتے، بورڈ کے ذمہ داروں کے بنائے ہوئے خاکوں میں رنگ اسی وقت بھرا جا سکتا ہے جب عام مسلمان بورڈ کے تعاون کو اپنی ترجیحات میں شامل کریں۔

میں اس بابرکت ماہ کی مناسبت وبرکت کے تناظر میں بورڈ کے ارکان، مدعوئین، مرد وخواتین سبھوں سے گذارش کر رہا ہوں کہ وہ بورڈ کے لئے اپنا کچھ وقت اس لئے فارغ کریں تا کہ وہ ملاقاتیں کر کے اہل خیر مسلمانوں کو بورڈ کے مالی تعاون کے لئے آمادہ کر سکیں۔ خدا کرے میری یہ بات آپ کے دل میں اتر جائے، اللہ تعالیٰ آپ کو خیر کی توفیق عطا فرمائے او نیک کاموں کی طرف متوجہ کرے۔

وقت گذرتا جاتا ہے، انسانی زندگی آگے کو بڑھ جاتی ہے، اللہ کے فیصلے نافذ ہوتے رہتے ہیں اور جو کچھ طے ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اس لئے ہمیں سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو موقع اور وقت وصلاحیت دیا ہے اس استطاعت وسکت کا ہم صحیح اور درست استعمال کیسے کریں، اپنی فکری، جسمانی اور مالی طاقت کو صحیح رخ پر کیسے لے کر چلیں، ہم اپنی قیمتی کمائی میں سے دین کی سربلندی کی خاطر اور اللہ کے کلمہ کے لئے کیسے خرچ کریں، جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں بہترین اجر ہے، اور دین کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اللہ خوب خوب نوازتا ہے اور ان کے مال واسباب میں برکت عطا فرماتا ہے، دین کی خدمت کا مزاج قربانی سے بنتا ہے، لہذا اپنے مال کی قربانی اللہ کی راہ میں پیش کیجئے۔

ہم رمضان میں اپنی اصلاح کے بارے میں سوچتے ہیں، اپنا احتساب ومحاسبہ کرتے ہیں، اپنے اعمال اور کاموں کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ ہم گناہ ومعصیت اور خدا ورسول کی نافرمانی سے بچ سکیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور خدا کی رضا وخوشنودی حاصل کر سکیں مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے دلوں سے نفرت، حسد، کینہ، بغض اور عناد کے جذبات نہیں نکال پاتے، پورا رمضان گذر جاتا ہے، لیکن ٹوٹے ہوئے دلوں، ناراض عزیزوں کو یاد تک نہیں کرتے، ہم خدا کی یاد میں سرشار ہوتے ہیں لیکن قریبی رشتہ داروں سے سخت نفرت کی حالت میں ہوتے ہیں، میل ملاپ کی بات تو دور، ان کا حق تک ادا نہیں کرتے۔

اصلاح کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی سوچ کو درست کریں، جب تک ہماری فکر ٹھیک نہیں ہوگی اور ہماری فکر آخری رسول کے پیغام، صحابہ کے تعامل، اہل اللہ اور مصلحین کی زندگی سے وابستہ ومتعلق نہیں ہوگی، ہمارے رویہ، روش، عادات، برتاؤ، سلوک، رہن سہن، کسی میں بھی خوشگوار تبدیلی بھی نہیں آسکے گی، اور حقیقی تبدیلی خواہ ذات میں ہو یا سماج میں قرآن سے مضبوط رشتہ قائم کرنے کے بعد ہی آئے گی۔ کتاب وسنت سے اپنے آپ کو جوڑ یئے پھر ان شاء اللہ زندگی میں بہار آئے گی۔ ❁ ❁

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

مرتب: محمد وقارالدین لطیفی ندوی

(گذشتہ تین ماہ کے دوران بورڈ کی سرگرمیوں پر مشتمل مختصر رپورٹ درج ذیل ہے۔)

۶/جولائی ۲۰۰۸ء بروز اتوار بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں درج ذیل قراردادیں پاس ہوئیں۔

☆ مرحوم ارکان بورڈ مولانا انظر شاہ کشمیری، جناب عبدالغنی مختشم اور جناب غلام محمود بنات والا صاحب اور ڈاکٹر مولانا سید محمد اجتباء ندوی صاحب کے سانحۂ ارتحال پر تعزیت کا اظہار کیا گیا۔ صدر محترم نے ان کے لئے مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعاء فرمائی اور ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی فرمایا۔

☆ سپریم کورٹ میں زیر سماعت مقدمات کا جائزہ پیش کرتے ہوئے بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے فرمایا کہ دارالقضاء اور فتوؤں کی اجرائی کے خلاف جورٹ وشولوچن مدن نامی ایڈوکیٹ نے پیش کی تھی اس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور حکومت ہند کی طرف سے جوابات داخل ہو چکے ہیں، یہ رٹ ابھی کچھ عرصہ کے بعد زیر سماعت آئے گی۔ مسز شبنم ہاشمی نامی خاتون نے سپریم کورٹ میں ایک رٹ داخل کی ہے جس میں اقوام متحدہ کی چند قراردادوں کے حوالہ سے سپریم کورٹ سے یہ استدعاء کی گئی ہے کہ وہ حکومت ہند کو گود لینے کا ایسا قانون بنانے کی ہدایت جاری کرے جو بلا لحاظ مذہب تمام شہریوں پر نافذ ہو، اس رٹ کا جواب بھی تقریباً تیار ہے۔ اور طے یہ ہوا تھا کہ ۷/ جولائی کو جناب یوسف حاتم مچھالہ صاحب ایڈوکیٹ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے ساتھ نشست میں جواب کو قطعیت دیں گے لیکن مچھالہ صاحب اپنی علالت کی وجہ سے دہلی نہیں آسکے اور فون پر یہ بات طے ہوئی ہے کہ ۱۱/اور ۱۲/جولائی کو حیدرآباد آکر اس کو قطعیت دیں گے۔

☆ مجموعہ قوانین اسلامی کے انگریزی ترجمہ کے سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ سپریم کورٹ کے سابق جج جسٹس شاہ محمد قادری صاحب ترجمہ کا کام تقریباً مکمل کر چکے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے بڑی گہری نظر سے مجموعہ قوانین اسلامی کا مطالعہ کیا ہے اس لئے ترجمہ کو مکمل کرنے سے پہلے اس مجموعہ کے بارے میں بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بعض مقامات پر دفعات کی تکرار کے علاوہ ان کے درمیان تعارض کی نشاندہی کی ہے اور ایسے الفاظ کی بھی نشاندہی کی ہے جن کے بارے میں عدالتوں کی جانب سے غلط مفہوم نکالنے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بعض فقہی اصطلاحات کو آسان بنانے کی تجویز رکھی ہے۔ جسٹس شاہ محمد قادری صاحب کے ساتھ ۴، ۵، نشستیں ہو چکی ہیں۔ کم سے کم دو اور نشستیں مجموعہ قوانین کے اس جائزہ کو مکمل کرنے کے لئے ہوں گی۔ جس کے بعد مسلم پرسنل لا بورڈ کو ان امور کے بارے میں طے کرنا ہوگا۔ اس کے لئے کوئی کمیٹی بنائی جاسکتی ہے یا پھر یہ کام قانونی کمیٹی کے سپرد کیا جاسکتا ہے جس میں وکلاء کے علاوہ علماء کرام بھی شامل ہوں تاکہ اسکے مطابق اردو ایڈیشن کو درست کرلیا جائے۔ اس کی اطلاع جسٹس شاہ محمد قادری صاحب کو دینے پر وہ انگریزی ترجمہ مکمل کرلیں گے۔ اجلاس نے طے کیا کہ ’’مجموعہ

قوانین اسلامی کے اردو ایڈیشن میں ضروری تبدیلی کا کام قانونی کمیٹی انجام دے گی اور وہی ان امور کو طے کر کے جسٹس شاہ محمد قادری صاحب کو مطلع کرے گی-اور یہ کام ۱۵/اگست ۲۰۰۸ء سے پہلے مکمل کر لیا جائے گا-"

☆ بابری مسجد کی حقیت کے مقدمہ کے سلسلہ میں جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے بتایا کہ کلکتہ اجلاس عمومی کے بعد ۲۴/مارچ سے بحث ۱۲/مئی تک جاری رہی۔ یہ بحث ان کی جانب سے ہورہی ہے جس کے اختتام کے بعد جناب مشتاق احمد صاحب ایڈوکیٹ بحث کریں گے۔اور اس کے بعد ہندو فریقین کی جانب سے بحث کی جاسکے گی۔اس طرح امکان اس بات کا ہے کہ اس سال کے ختم تک بحث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔عدالت نے مہینہ میں دو ہفتے اس مقدمہ کی ساعت کے لئے مقرر کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن کسی نہ کسی وجہ سے مہینہ میں دو ہفتوں کا وقت اس مقدمہ کے لئے نہیں نکالا جارہا ہے۔جس کی وجہ سے بھی طوالت ہورہی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک رپورٹ بھی پیش کی جو درج ذیل ہے۔

رپورٹ برائے مقدمات بابری مسجد:

بابری مسجد مقدمات سے متعلق ایک تفصیلی رپورٹ کلکتہ کے اجلاس عام میں پیش کی جاچکی ہے جس میں ۱۸/فروری ۲۰۰۸ء تک کی پیش رفت کا جائزہ لیا گیا تھا، ہائی کورٹ میں مزید بحث ۱۰/مارچ ۲۰۰۸ء سے شروع ہونی تھی لیکن ۹/مارچ کو میرے چھوٹے بھائی قمریاب جیلانی کے انتقال کی وجہ سے ۱۰/مارچ کی تاریخ ملتوی ہوگئی۔اگر چہ میں نے جج صاحبان سے ۱۳/مارچ سے بحث کرنے کے لئے کہا تھا لیکن جج صاحبان نے مناسب نہیں سمجھا کہ چھوٹے بھائی کے انتقال کے بعد اتنی جلد مقدمہ میرے بحث کے لئے لگا دیا جائے، اس لئے انہوں نے ۲۴/مارچ کی تاریخ مقرر کی اور پھر یہ تاریخ ۲۵/مارچ مقرر ہوئی کیونکہ ہولی کی تعطیلات ۲۴/مارچ کو ختم ہورہی تھیں، اس طرح حقیت کے مقدمہ میں ہائی کورٹ میں میری مزید بحث ۲۵/مارچ کو شروع ہوکر ۲۹/مارچ تک جاری رہی اور پھر مقدمہ ۷/اپریل کو لگایا گیا لیکن ۷/اپریل کی تاریخ بھی جج صاحبان کے ذریعہ تبدیل ہوکر ۲۱/اپریل کر دی گئی، اور اس طرح ۲۱/اپریل سے ۲۵/اپریل اور ۵/مئی سے ۹/مئی تک میری بحث جاری رہی۔ اس کے بعد مزید بحث کے لئے ۲۱/مئی کی تاریخ مقرر ہوئی تھی لیکن الہ آباد ہائی کورٹ کے وکلاء کی ہڑتال کی وجہ سے ۲۱/مئی کی تاریخ بڑھا کر ۷/جولائی کر دی گئی اور اب ۷/جولائی سے ۲/ہفتہ کے لئے بحث کی تاریخ مقرر ہے۔امید ہے کہ ان دو ہفتوں میں میری بحث ختم ہو جائے گی۔

میری بحث کے ختم ہونے کے بعد جناب مشتاق احمد صدیقی صاحب ایڈوکیٹ محمد ہاشم انصاری صاحب کی طرف سے بحث کریں گے اور ان کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو جناب سید عرفان احمد صاحب ایڈوکیٹ حاجی محبوب صاحب وغیرہ کی طرف سے ایک دن بحث کر سکتے ہیں۔اس طرح ایک ہفتہ میں ان لوگوں کی بحث ختم ہونے کی توقع ہے۔

مسلمانوں کی جانب سے بحث کے اختتام کے بعد ہندو فریقین کی جانب سے بحث کی جائے گی۔

سپریم کورٹ میں مقدمہ ۵/۸۹ کے مدعی نمبر ۱ کی جانب سے Next Round کی تبدیلی کے تعلق سے دائر اپیل جولائی کے آخر یا اگست میں بحث کے لئے آسکتی ہے جس میں کسی سینئر وکیل کو بحث کے لئے Engage کرنا ہوگا۔

بابری مسجد کی شہادت کے تعلق سے رائے بریلی کی عدالت میں چل رہے مقدمہ میں استغاثہ کے تیسرے گواہ محمد اسلم سے جرح جاری ہے جو ۴/جولائی ۲۰۰۸ء کو بھی جاری رہی۔اس مقدمہ میں رائے بریلی کے وکیل جناب مظہر الحق صاحب ہماری طرف سے پیروی کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب کنوینر کمیٹی آن بابری مسجد نے بتایا کہ لبرہان کمیشن کی میعاد میں ۴۵/ویں مرتبہ توسیع دی جاچکی ہے اس سے قبل حکومت ہند کی جانب سے مملکت وزیر داخلہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ

اب کوئی مزید توسیع نہیں کی جائے گی اس کے باوجود یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ لبرہان کمیشن کی رپورٹ پیش ہوگی اور اس کو پارلیامنٹ میں رکھا جائے گا- اظہار خیال کے بعد طے پایا کہ جسٹس لبرہان صاحب سے ملاقات کی جائے اور ان سے اصرار کیا جائے کہ وہ جلد از جلد اپنی رپورٹ حکومت کے سپرد کریں۔ اور اسی طرح بورڈ کا ایک وفد مرکزی وزیر داخلہ اور مرکزی وزیر قانون سے مل کر اس سلسلہ میں نمائندگی کرے۔

☆ اصلاح معاشرہ کے مرکزی کمیٹی کے کنو ینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب نے جو بورڈ کے سکریٹری بھی ہیں اجلاس کو بتایا کہ کلکتہ کے اجلاس عمومی کے بعد دو رسالے بنگلہ زبان اور گجراتی زبان میں طبع ہوئے انہوں نے بتایا کہ اصلاح معاشرہ کی تحریک مختلف علاقوں میں جاری ہے، پونہ شہر اور اس کے اطراف میں ۲۲ رجلسے منعقد ہو چکے ہیں جن میں دختر کشی اور شادیوں کے موقعہ پر اسراف و فضول خرچی کو موضوع بنایا گیا لکھنؤ میں جناب شیراز الدین صاحب شادی و بیاہ میں فضول خرچی کے خلاف مسلسل کام کر رہے ہیں۔ مولانا عبداللہ مغیثی صاحب مغربی یو پی میں اپنے خطبات کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے لئے مزاج سازی کر رہے ہیں۔ دینی مدارس کے جلسوں میں ان موضوعات پر گفتگو رہو رہی ہے۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے اس پر زور دیا کہ ماضی میں جو خطبات جمعہ شائع ہوتے تھے ان کو اخبارات میں بھی اشاعت کے لئے بھیجا جائے۔ ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے مختلف علماء کرام سے اصلاح معاشرہ کے موضوعات پر جمعہ کے خطبات مرتب کروا کر شائع کرنے پر زور دیا اور کہا کہ دختر کشی کے موضوع پر پنجاب، ہریانہ اور دہلی میں پروگرام ہونا ضروری ہے، کام میں تیزی لانے کی ضرورت ہے، جنرل سکریٹری بورڈ مولانا سید نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں جو پروگرام منعقد ہوتے ہیں ان کی ایک رپورٹ مرکزی دفتر کو روانہ کی جانی چاہئے تا کہ بورڈ میں ریکارڈ رہے اور خبر نامہ و دیگر ذرائع سے لوگوں کو واقف کرایا جا سکے۔

☆ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے بورڈ کے مرتبہ معیاری نکاح نامہ کو عام بنانے کی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب، ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب، مولانا کاکا سعید احمد عمری صاحب نے اس تجویز کی تائید کی کہ بورڈ کے مرتبہ نکاح نامہ کو عام کرنے کی تدابیر اختیار کی جائے اس کے لئے بورڈ کے ارکان اپنے اپنے مقامات پر اس کو چھپوا کر تقسیم کر سکتے ہیں۔ صدر محترم نے فرمایا کہ بورڈ کے نکاح نامہ کو عام کرنے کی کوشش میں اس بات کا خیال رکھا جائے اور احتیاط برتی جائے کہ کہیں کسی سے اختلاف و تصادم کی صورت پیدا نہ ہو۔

☆ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے دارالقضاء کمیٹی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ دارالقضاء کے قیام سے متعلق کئی مقامات سے پیش کش آ چکی ہے۔ ممبئی و پونہ جہاں دارالقضاء قائم ہے اس کے اطراف کے علاقہ سے دارالقضاء قائم کرنے کی پیش کش ہوئی ہے، انہوں نے بتایا کہ اورنگ آباد میں بورڈ کے رکن قاضی عبدالوحید خان صاحب نے قضاۃ کا ایک تربیتی کیمپ منعقد کیا تھا۔ کولہا پور کے مسلمانوں کی جانب سے مسلسل مطالبہ ہو رہا ہے اور کوشش اس بات کی ہوگی کہ رمضان سے پہلے یہاں دارالقضاء قائم ہو جائے۔ جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے کہا کہ قائم شدہ دارالقضاء کی فہرست اور ضروری تفصیلات ویب سائٹ پر دینی چاہئے کیونکہ میڈیا کی جانب سے اس سلسلہ میں مطالبات ہوتے رہے ہیں اور پوچھا جاتا رہا ہے کہ دارالقضاء کہاں کہاں قائم ہے۔ اس ویب سائٹ سے کام کو آگے بڑھانے میں مدد ملے گی۔

☆ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ بورڈ کے بھوپال میں منعقدہ اجلاس عمومی کے بعد تفہیم شریعت کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس کے کنو ینر مولانا سید جلال الدین عمری صاحب بنائے گئے تھے۔ مولانا موصوف نے بحیثیت امیر جماعت اسلامی ہند اپنے انتخاب کے بعد استعفی دے دیا ہے جس کے بعد انہیں کنو ینر مقرر کیا گیا ہے۔ مولانا

خالد صاحب نے مزید بتایا کہ ان کے ذہن میں خاکہ یہ ہے کہ تین جہتوں سے کام کیا جائے۔

اسلام اور شریعت اسلامی کے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے لٹریچر تیار اور شائع کیا جائے- دوسرے یہ کہ مسلم پرسنل لا سے متعلق قوانین پر مختلف رسالے طبع کروائے جائیں- اور تیسرے یہ کہ مختلف شہروں میں ایسی نشستیں رکھی جائیں جس میں وکلاء اور قانون داں اصحاب کو شرعی قوانین سے واقف کروایا جائے اور علماء حضرات ان اصحاب کے سوالات کا جواب دیں۔ ان شاء اللہ اس طرح کی ایک نشست ماہ اگست دہلی میں منعقد ہوگی۔

☆ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے سلسلہ میں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کی توجہ رکن لا کمیشن جناب ڈاکٹر طاہر محمود صاحب کے بیان کی طرف مبذول کروائی جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ وہ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے سلسلہ میں تجاویز لا کمیشن کو پیش کر چکے ہیں جس میں سول میرج کے قوانین میں ترمیم کر کے مسلمانوں کو سول میرج کرنے کی طرف راغب کرنے کی تجویز بھی شامل ہے- ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے بتایا کہ کلکتہ کے اجلاس عمومی سے قبل متعلقہ کمیٹی نے جائزہ لیا تھا جس میں یہ معلوم ہوا تھا کہ مغربی بنگال، بہار، اور ہریانہ کے علاوہ چند اور ریاستوں میں بھی شادی کے لازمی رجسٹریشن کے قوانین بن چکے ہیں۔ مرکز میں قومی اقلیتی کمیشن کا مرتبہ مسودہ قانون لا کمیشن کو روانہ کیا گیا ہے جہاں اس پر غور ہو رہا ہے۔ لازمی رجسٹریشن کے مسئلہ پر مولانا محمد ولی رحمانی صاحب اور مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب نے اظہار خیال کیا جس کے بعد طے کیا گیا کہ: اس مسئلہ پر مرکزی حکومت سے نمائندگی کی جائے اور حکومت پر یہ واضح کیا جائے کہ بورڈ اصولاً رجسٹریشن کے خلاف نہیں ہے لیکن اس کو لازمی قرار دینے کے نتیجہ میں ملک کی ایک بڑی آبادی تکلیف اور مشکلات کا شکار ہوگی اس کے لئے رجسٹریشن کے نظام کو وسعت دیتے ہوئے قصبات اور بڑے دیہاتوں تک پہونچانا ضروری ہے، نیز یہ کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کی شادیوں کا ریکارڈ اکثر صورتوں میں بلکہ دور دراز کے دیہاتوں کو چھوڑ کر تمام مقامات پر تیار کیا جاتا ہے اور محفوظ رکھا جاتا ہے اور اگر نکاح خواں حضرات یا نکاح پڑھانے والے قاضیوں کو رجسٹریشن کے قانون میں ان کو قانونی حیثیت دی جائے اور ان کے اندراجات کو رجسٹریشن تسلیم کر لیا جائے تو کوئی زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی- یہ بھی طے کیا گیا کہ چند ریاستوں میں لازمی رجسٹریشن کے قوانین بن چکے ہیں، وہاں ضروری تبدیلیوں کے لئے بورڈ کی جانب سے نمائندگی کی جائے۔ اور اس کے لئے صدر بورڈ اور جنرل سکریٹری صاحبان کو مجاز گردانا جاتا ہے کہ وہ ریاستوں میں بورڈ کی جانب سے نمائندگی کے لئے کنوینرس کی نامزدگی فرمائیں۔

☆ ناری نکیتن و سرکاری ہومس میں رہنے والی مسلم لڑکیوں کی تربیت و شادی وغیرہ کے تعلق سے نائب صدر بورڈ مولانا ڈاکٹر کلب صادق صاحب اور جناب ظفریاب جیلانی صاحب ایڈوکیٹ اور دیگر ارکان کے اظہار خیال کے بعد اس احساس کا اظہار کیا گیا کہ بورڈ کی عاملہ نے ان مسلم لڑکیوں کو اسلامی شریعت کے اصولوں اور عقائد سے واقف کرانے اور ان کے مطابق زندگی گذارنے وان کی شادی مسلمان لڑکوں سے کروانے کے سلسلے میں ان ہومس و نکیتن کے منتظمین نہ صرف لاپرواہی کرتے ہیں بلکہ بیشتر مقامات پر ان کو ہندو رسم و رواج کے مطابق تربیت دیتے ہیں اور ہندو لڑکوں سے ہی ان کی شادی کروا دیتے ہیں۔ بورڈ ناری نکیتن و سرکاری ہومس کے ذمہ داروں کے اس رویہ کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتا ہے اور صوبائی حکومتوں و مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ناری نکیتن و سرکاری ہومس کے ذمہ داروں کو واضح ہدایات دی جائیں کہ وہ مسلمان بچیوں و لڑکیوں کی پرورش اسلامی اصولوں و عقائد کے مطابق انجام دیں اور ان کی شادیاں مسلم لڑکوں سے کروانے کو یقینی بنائیں اور اس ضمن میں مقامی مسلم اداروں و بورڈ کے نمائندوں کو ناری نکیتن و ہومس

میں مسلم لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں مدعو کریں اوران کے مشورہ سے ان کی شادی وغیرہ کا نظم کریں۔حکومتوں سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ ناری نکیتن کا انتظام کرنے والے بورڈس یا مشاورتی کمیٹیوں وغیرہ میں مسلم نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے اورشادی کے لائق مسلم لڑکیوں کی بابت مقامی مسلم اداروں و بورڈ کے نمائندوں کو پہلے سے مطلع کیا جائے تاکہ وہ ایسی لڑکیوں کی شادی کے لئے مسلم لڑکوں کو آمادہ کرکے ایسی شادیوں کا اہتمام کرواسکیں۔

☆ ضابطۂ اخلاق کے موضوع پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ اس کی ترتیب کے سلسلہ میں صدر محترم کی جانب سے تشکیل کردہ سہ رکنی کمیٹی کی نشست بعض وجوہ سے منعقد نہیں ہوسکی اس لئے یہ کام تکمیل نہیں پاسکا۔انشاء اللہ آئندہ اجلاس میں اس کا مسودہ غور ومنظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

☆ جناب پروفیسر ریاض عمر صاحب خازن بورڈ نے اپریل ۲۰۰۷ء تا ختم مارچ ۲۰۰۸ء کے آڈٹ شدہ حسابات کی تفصیلات پیش کی جس کی کاپی شرکاء کو فراہم کی گئی جس کو مجلس عاملہ نے منظور کیا،مجلس عاملہ نے اس بات کو بھی منظور کیا کہ کم وبیش دو لاکھ ۱۴۱ر ہزار کی رقم بورڈ کے اغراض و مقاصد کے حصول کے سلسلہ میں صرف کی جائے۔

☆ دیگر امور باجازت صدر کے تحت جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو بتایا کہ چاند پٹیل بنام بسم اللہ بی و دیگر کیس میں سپریم کورٹ کے جج جسٹس التمش کبیر نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ دوسگی بہنوں سے نکاح کی صورت میں بعد کی بہن سے کیا ہوا نکاح فاسد ضرور ہے مگر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ عدالت کے ذریعہ ان میں تفریق نہیں کروائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ ایسی عورت مرد کی جانب سے بحیثیت بیوی نفقہ حاصل کرنے کی مستحق ہے۔جسٹس کبیر کے اس فیصلہ کا جائزہ قانونی کمیٹی کی میٹنگ میں لیا جائے گا جو آج ساڑھے چار بجے شام سے منعقد ہونے والی ہے۔جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے اجلاس کو یہ بھی بتایا کہ قانون وقف ۱۹۹۵ میں پارلیامنٹ کی مشترکہ کمیٹی کی جانب سے سفارش کردہ ترمیمات کا جائزہ لے کر بورڈ کی جانب سے رد عمل کا ایک مسودہ تیار کیا گیا ہے جس پر قانونی کمیٹی آج شام کے اجلاس میں غور کرے گی۔مجلس عاملہ نے قانونی کمیٹی کو بورڈ کی جانب سے اس کو قطعیت دینے کا مجاز گردانا۔

☆ جناب ظفریاب جیلانی صاحب ، ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب، مولانا محمد ولی رحمانی صاحب اور جنرل سکریٹری مولانا نظام الدین صاحب کے اظہار خیال کے بعد حسب ذیل تجویز بورڈ کی مجلس عاملہ نے منظور کی۔

’’آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ ڈاکٹر طاہر محمود کی جانب سے لا کمیشن کو دی گئی اس تجویز کی سخت مذمت کرتا ہے کہ لا کمیشن مسلمانوں سے متعلق اقدامات کرتے ہوئے یونیفارم پرسنل لا کی تدوین کرے جو بلالحاظ مسلک وفرقہ تمام مسلمانوں پر قابل اطلاق ہو اور یہ کہ سول میرج کے قوانین میں ترمیم کرکے مسلمانوں کو ان قوانین کے تحت شادی کرنے پر راغب کیا جائے۔ان تجاویز کے پیچھے کچھ مذموم محرکات کام کررہے ہیں اوران کا مقصد یونیفارم سول کوڈ کی تدوین کے لئے راستہ ہموار کرنا معلوم ہوتا ہے تاکہ مسلمانوں کو شریعت کے احکامات کے مطابق اپنے خاندانی نزاعات کو طے کروانے کے بنیادی حق سے محروم کیا جائے۔

☆ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ یکساں شرعی قانون کی تدوین کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ریاست کو شریعت کے احکامات میں ترمیم وتبدیلی، تنسیخ واضافہ کا اختیار حاصل ہوجائے گا اورصورتحال یہ ہے کہ پارلیامنٹ میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا اور آئندہ بھی نظر آنے کے امکانات تقریباً مفقود ہیں جو پارلیامنٹ میں شرعی احکامات کے مطالب و مفہوم اوران کی مصلحتوں کو پیش کرسکے اور یہ واضح کرسکے کہ یہ دین اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے۔

☆ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس ڈاکٹر طاہر محمود صاحب کی تجاویز کے خلاف ان سخت احساسات کے ساتھ لا کمیشن اور مرکزی وزارت قانون سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ ان تجاویز کو فوری رد کرے اور عام اعلامیہ جاری کیا جائے کہ کمیشن یا حکومت مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور اس طرح ان کا ارادہ مسلمانوں کو سول میرج کی طرف راغب کرنے کا نہیں ہے۔"

بورڈ کے جاری کردہ پریس ریلیز

(۱) نئی دہلی، ۷؍جولائی ۲۰۰۸ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۶؍جولائی ۲۰۰۸ء کو بورڈ کے مرکزی دفتر دہلی میں زیر صدارت صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب منعقد ہوا جس میں زیر بحث ایجنڈہ پر گفتگو ہوئی، اس کے علاوہ ڈاکٹر طاہر محمود کی جانب سے لا کمیشن کو دی گئی اس تجویز کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی جس میں انہوں نے کہا کہ لا کمیشن مسلمانوں سے متعلق اقدامات کرتے ہوئے یونیفارم پرسنل لا کی تدوین کرے جو بلالحاظ مسلک وفرقہ تمام مسلمانوں پر قابل اطلاق ہو اور یہ کہ سول میرج کے قوانین میں ترمیم کرکے مسلمانوں کو ان قوانین کے تحت شادی کرنے پر راغب کیا جائے۔ مجلس عاملہ کا احساس ہے کہ ان تجاویز کے پیچھے کچھ مذموم محرکات کام کررہے ہیں اور ان کا مقصد یونیفارم سول کوڈ کی تدوین کے لئے راستہ ہموار کرنا معلوم ہوتا ہے تاکہ مسلمانوں کو شریعت کے احکامات کے مطابق اپنے خاندانی نزاعات کو طے کروانے کے بنیادی حق سے محروم کیا جائے۔ یہ ملک سے شرعی قوانین کو ختم کرنے کی گھناؤنی سازش کا حصہ ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ یکساں شرعی قانون کی تدوین (Codification) کے خلاف ہے کیونکہ اس سے ریاست کو شریعت کے احکامات میں ترمیم وتبدیلی، تنسیخ و اضافہ کا اختیار حاصل ہوجائے گا اور صورتحال یہ ہے کہ پارلیامنٹ میں ایسا کوئی نظر نہیں آتا اور آئندہ بھی نظر آنے کے امکانات تقریبا مفقود ہیں جو پارلیامنٹ میں شرعی احکامات کے مطالب ومفہوم اور ان کی مصلحتوں کو پیش کرسکے اور یہ واضح کرسکے کہ یہ دین اسلام کا اٹوٹ حصہ ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ اجلاس ڈاکٹر طاہر محمود کی تجاویز کے خلاف ان سخت احساسات کے ساتھ لا کمیشن اور مرکزی وزارت قانون سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ ان تجاویز کو فوری رد کرے اور عام اعلامیہ جاری کیا جائے کہ کمیشن یا حکومت مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور اسی طرح ان کا ارادہ مسلمانوں کو سول میریج کی طرف راغب کرنے کا نہیں ہے، حکومت کا ایسا اعلان ڈاکٹر طاہر محمود کی تجاویز سے پیدا شدہ اندیشوں کو دور کرنے میں فائدہ مند ہوگا۔"

بعض اخبارات نے یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش کی کہ پرسنل لا بورڈ کو نکاح کے لازمی رجسٹریشن سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور بورڈ کو بوڑھی قیادت سے الگ کیا جائے، اس بے بنیاد خبر کے بعد بورڈ کے ترجمان و معاون جنرل سکریٹری محترم جناب عبدالرحیم قریشی صاحب کی طرف سے درج ذیل وضاحتی بیان جاری کیا گیا جو پورے ملک کے اخبارت میں شائع ہوا جو حسب ذیل ہے۔

(۲) نئی دہلی: ۷؍جولائی ۲۰۰۸ء

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پریس نوٹ میں کہا گیا ہے کہ شادیوں کے لازمی رجسٹریشن کے سلسلہ میں بورڈ کے موقف کے بارے میں بعض غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے کیونکہ بعض خبروں میں بورڈ کے موقف کو صحیح انداز میں پیش نہیں کیا گیا۔ محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اسسٹنٹ جنرل سکریٹری وترجمان آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بتایا کہ جہاں اصولی طور پر **آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ شادیوں کے رجسٹریشن کے خلاف نہیں ہے وہیں یہ بورڈ اس رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے کا سخت مخالف ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس رجسٹریشن کو لازمی قرار دینے سے ملک کی ایک قابل لحاظ آبادی جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل ہیں تکالیف اور مصیبت کا شکار ہوگی** اور اس لحاظ سے رجسٹریشن کو لازمی قرار

دینے کی مخالف صرف مسلمانوں کے کسی مسئلہ کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ بلا لحاظ مذہب ملک کے دیہاتوں اور دور دراز علاقوں میں بسنے والی ساری ہندوستانی آبادی کو جو امکانی مصیبتیں آئیں گی اور جرمانوں کا جو بار برداشت کرنا پڑے گا ان کے پیش نظر بورڈ رجسٹریشن کو لازمی بنانے کا مخالف ہے کیونکہ رجسٹریشن کا نظام زیادہ سے زیادہ ضلع، تعلقہ یا بلاک کے صدر مقام پر ہے اور وہاں تک ایک غریب دیہاتی، زرعی مزدور اور چھوٹے موٹے کاروبار کرنے والے کے لئے شادی کرنے کے بعد اپنی بیوی اور دونوں طرف کے دو دو گواہوں کے ساتھ پہنچ کر رجسٹریشن کے لئے چار پانچ دن قیام کرنا تقریباً ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ مہاراشٹر میں ۲۰۰۲ء میں لازمی رجسٹریشن کا قانون بننے کے بعد آج تک بھی یہ قانون غیر شہری علاقوں میں نافذ نہیں ہو سکا ہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا موقف یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے پاس نکاح کی ضروری تفصیلات پر مشتمل ریکارڈ، قاضی، یا نکاح خواں تیار کرتے ہیں اور ان کے پاس یہ ریکارڈ محفوظ رہتا ہے اس لئے قاضی صاحبان اور نکاح خواں حضرات کو قانونی حیثیت میں رجسٹریشن کے قانون سے جوڑا جائے اور ان کے مرتبہ ریکارڈ کو رجسٹریشن تسلیم کیا جائے تو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ البتہ صرف دور افتادہ علاقوں کے دیہاتوں میں شاید ایسا ممکن نہ ہو سکے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا موقف بہت ہی معقول اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی بنیاد پر قائم ہے۔ جس کو ہر ذی شعور ہندوستانی صحیح تسلیم کرے گا۔ محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے مزید کہا کہ بورڈ کے اجلاس عاملہ کی خبروں میں بعض اخبارات نے صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کے حوالہ سے بوڑھی قیادت کی فعالیت کو موضوع بحث بنایا ہے اور افسوس اس بات کا ہے کہ یہ خبر UNI جیسے باوقار ادارے سے جاری ہوئی ہے۔ یہ سوال نہ کلکتہ کے اجلاس عمومی میں زیر بحث آیا اور نہ ایسی کوئی بات دہلی کے ۶ رجولائی کے منعقدہ اجلاس میں صدر محترم نے فرمائی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس خبر کو ایک ایسے ادارے نے جاری کیا ہے جس کا کوئی نمائندہ بورڈ کے اجلاس کے موقع پر موجود نہیں تھا اور جس کے کسی نمائندہ نے اجلاس کے بعد سہی بورڈ کے ذمہ داروں سے کوئی گفتگو نہیں کی۔

(۳) ۲۶ رجون ۲۰۰۸ء

نئی دہلی: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نے ٹیلیفون پر اپنے ایک تعزیتی بیان میں فرمایا کہ بورڈ کے تاسیسی رکن جناب غلام محمود بنات والا صاحب کے اچانک انتقال کی خبر سے بیحد صدمہ پہنچا۔ ان کے انتقال سے ملت اسلامیہ ہندیہ بنات والا صاحب جیسے سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے بے باک ونڈر قائد و رہنما سے محروم ہوگئی۔ مرحوم بورڈ کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور بڑی گرمجوشی سے حصہ لیتے، بورڈ کے ہر پروگرام میں بڑی پابندی سے شرکت فرماتے تھے۔ بورڈ کے عام اجلاس میں ان کی تقریر بہت پسند کی جاتی تھی۔ ہر موضوع پر وہ پوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے اور بڑی فاضلانہ گفتگو فرماتے، دور دور تک اس قحط الرجال میں ان کا بدل نظر نہیں آتا، اللہ تعالیٰ غیب سے ملت اسلامیہ کو اس کا بدل عطا فرمائے اور مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹری محترم جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب نے فون پر اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ وہ شروع دن سے بورڈ کے تاسیسی و عاملہ کے رکن تھے، انتہائی شریف و نیک انسان تھے، اور پارلیمنٹ کے قابل ترین ممبر بھی تھے، مسلم پرسنل لا کے مسائل کو پارلیمنٹ میں پوری قوت کے ساتھ اٹھاتے اور پارلیمنٹ میں اس کو کافی اہمیت بھی دی جاتی، مسلم مسائل کو حل کرنے میں بورڈ کی میٹنگوں میں ان کی رائے کو فوقیت دی جاتی تھی، وہ بورڈ کے بہترین اور مضبوط معاون تھے۔ شاہ بانو کیس میں پیش پیش رہے۔ ان کی تقاریر کو سننے کے لئے مجمع ساکت و جامد گھنٹوں انتظار کرتا اور بڑی جامع تقریر کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں بورڈ کے سرگرم و فعال رکن محترم جناب غلام محمود بنات والا صاحب کے اچانک انتقال پر ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد کامل قاسمی، دفتر انچارج بورڈ مولانا وقارالدین لطیفی، متین احمد صاحب لیکچرار جامعہ ملیہ

اسلامیہ، مولانا حامد صدیقی ندوی اور جملہ کارکنان دفتر بورڈ شریک ہوئے۔اس نشست میں باتفاق رائے یہ تجویز منظور کی گئی کہ جناب غلام محمود بنات والا صاحب ایک نڈر اور بے باک رہنما اور قائد تھے، قومی وملکی مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھتے، حق بات کہنے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتے، ان کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے دوست اور دشمن سب ان کے قدرداں تھے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے دن سے ہی اس کے سرگرم وفعال رکن تھے۔ بورڈ کے پلیٹ فارم سے لے پالک کا مسئلہ، ایمرجنسی، یونیفارم سول کوڈ، لازمی نسبندی، شاہ بانو مقدمہ، نکاح نابالغان جیسے مسائل پر پوری دلچسپی لی اور الحمدللہ ان مسائل پر بورڈ کی کامیابی میں مرحوم بنات والا صاحب کا بڑا بنیادی اور اہم رول رہا ہے۔بلاشبہ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، اپنی پوری زندگی انہوں نے قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کردی تھی، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کے درجات بلند فرمائے۔

تفہیم شریعت کمیٹی:

بورڈ نے اپنے اٹھارہوں اجلاس بمقام بھوپال میں یہ کمیٹی تشکیل دی اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کو اس کا کنوینر منتخب کیا۔ مولانا عمری صاحب کی کنوینر شپ میں یہ کمیٹی اپنا کام اچھی طرح انجام دے رہی تھی مگر جماعت اسلامی ہند کے امیر منتخب ہونے کے بعد انہوں نے کنوینز کی ذمہ داری سے معذرت کردی اور ساتھ ہی اپنا بھرپور تعاون دینے کا وعدہ فرمایا، بورڈ کے کلکتہ اجلاس کے بعد صدر بورڈ نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو اس کمیٹی کا کنوینز منتخب کیا۔مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے کنوینز منتخب ہونے کے بعد کئی جگہوں پر کام کرنے کے فیصلہ کیا اور اس کے طریقہ کار اور نہج پر بھی غور کیا، اسی طرح کی ایک مشاورتی نشست ارکان بورڈ کے ساتھ ۹/اگست ۲۰۰۸ء بروز سنیچر کو بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل اہم فیصلے ہوئے۔

☆ دہلی میں ہر دوماہ پر تفہیم شریعت کا پروگرام رکھا جانا چاہئے۔

☆ کوشش کی جائے کہ یہ پروگرام مہینے کے پہلے شنبہ کو چار بجے دن سے ہو، تاکہ وکلاء حضرات عدالتوں سے سیدھے پروگرام میں شریک ہوں۔

☆ خطبات پینتالیس منٹ کے ہوں، اتنا ہی وقت سوال و جواب کے لئے دیا جائے، نیز تلاوت وصدارتی کلمات کو لے کر پورا پروگرام دو گھنٹے میں مکمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ نئے ابھرنے والے مسائل میں وکلاء سے تبادلہ خیال کی نشستیں چونکہ کم افراد پر مشتمل ہوں گی اس لئے ان کا نظم بورڈ کے دفتر میں رکھا جائے، توسیعی خطبات کا درج ذیل مقامات میں سے کہیں رکھنا زیادہ مناسب ہوگا:

(الف) کانسٹی ٹیوشن کلب، رفیع مارگ (ب) راجندر بھون (ج) انڈین لاسوسائٹی (د) انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر

☆ دہلی کے لئے تفہیم شریعت کمیٹی اور کنوینز کا تعین خالد سیف اللہ رحمانی (کنوینز مرکزی کمیٹی) محترم جنرل سکریٹری صاحب کے مشورہ سے کرے گا۔

☆ رمضان المبارک کے بعد اکتوبر یا نومبر میں تفہیم شریعت کا پہلا پروگرام، اور دسمبر یا جنوری میں دوسرا پروگرام رکھنے کی کوشش کی جائے۔

☆ مذکورہ دونوں پروگراموں میں سے پہلے کا موضوع متبنٰی کا مسئلہ ہو اور دوسرے کا قانون طلاق۔

دارالقضاء کمیٹی:

بورڈ کی دارالقضاء کمیٹی کی ایک اہم میٹنگ میں ۱۲/اگست ۲۰۰۸ء بعد نماز مغرب اسلامک فقہ اکیڈمی کے دفتر دہلی میں منعقد ہوئی، جس میں مندرجہ ذیل اہم فیصلے ہوئے۔

☆ سونی پت (ہریانہ) اور پھلت (ضلع مظفرنگر، یوپی) میں اب تک دارالقضاء کا قیام نہیں ہوسکا، اس لئے کہ مولانا کلیم صدیقی صاحب (جنھوں نے ان دونوں مقامات پر قیام دارالقضاء کی درخواست کی تھی) کی طرف سے باربار یاددہانی کے باوجود کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

☆ بوڑیہ ضلع جمنانگر (ہریانہ) میں قیام دارالقضاء کے سلسلہ میں صورت حال یہ ہے کہ پیر جی حافظ حسین احمد قادری صاحب کی طرف سے صدر بورڈ دامت برکاتہم کی خدمت میں خط آیا تھا کہ قیام دارالقضاء کے لئے کوئی تاریخ طے کردی جائے اور بورڈ قضاء کے کام کے لئے کوئی مناسب قاضی بھی دے، اس بارے میں ارکان کمیٹی نے طے کیا کہ شوال ۱۴۲۹ھ

میں جب دارالقضاء کمیٹی کی میٹنگ ہو تو اس موقع پر پیر جی حافظ حسین احمد قادری صاحب کو دہلی آنے کی زحمت دی جائے اور ان سے گفتگو کر کے قیام دارالقضاء کے لئے کوئی تاریخ طے کر دی جائے، اس دوران عمل قضا کے لئے کسی مناسب آدمی کو طے کر لیا جائے۔

☆ گذشتہ میٹنگ میں مغربی یوپی نیز دہلی اور اس کے اطراف میں قضاء کا ایک تربیتی کیمپ منعقد کرنا طے پایا تھا، لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے رائے دی کہ خود دہلی میں ایسا کوئی کیمپ مناسب نہیں ہے، اس کے لئے اطراف دہلی میں (میرٹھ، بسوندا، غازی آباد) میں کوئی جگہ طے کی جائے اور قاضی کامل صاحب کو ذمہ داری سونپی جائے کہ وہ اس سلسلے میں رابطہ قائم کر کے کسی مناسب جگہ کی تجویز کریں۔

☆ دارالقضاء کمیٹی کی طرف سے ماضی قریب میں صوبہ راجستھان کا بھی کوئی دورہ نہیں ہوسکا، قاضی کامل صاحب نے بتایا کہ جودھپور میں دارالقضاء کا جو نظام بنایا گیا تھا وہ بھی فی الحال تعطل کا شکار ہے، اس سلسلے میں طے پایا کہ راجستھان کے اراکین بورڈ سے رابطہ کر کے دورے کا پروگرام بنایا جائے اور اس کام میں قاضی کامل صاحب سے مدد لی جائے۔

☆ اب تک دارالقضاء کے کاموں کے لئے کوئی آرگنائزر بحال نہیں ہوسکا ہے، کمیٹی کے ارکان نے زور دیا کہ آرگنائزر کی بحالی جلد از جلد کی جائے، کیونکہ اس کے بغیر کاموں میں پیش رفت نہیں ہوسکتی۔

☆ بورڈ کے تحت قائم ہونے والے دارالقضاء یا بورڈ سے مربوط دارالقضاؤں کے لئے لائحۂ عمل کے بارے میں طے پایا کہ اسے مزید مکمل کر کے کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں پیش کیا جائے اور کمیٹی کی منظوری کے بعد ذمہ داران بورڈ کی خدمت میں رائے طلبی کے لئے روانہ کیا جائے۔

☆ کنوینر کمیٹی نے بتایا کہ نیرول نیوممبئی کے باشندوں کی طرف سے دارالقضاء قائم کرنے کی درخواست آئی تھی، اس کے ساتھ حضرت مولانا عبدالاحد ازہری صاحب قاضی شریعت مالیگاؤں کا تائیدی خط بھی تھا کہ نیرول کے لوگ دارالقضاء قائم کرنے کے لئے سنجیدہ ہیں، میں نے خود وہاں جا کر جائزہ بھی لیا اور پروگرام کیے، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ سے قضاء کی تربیت لیے ہوئے ایک باصلاحیت عالم بھی موجود ہیں جو قاضی بننے کے اہل ہیں اس لئے وہاں دارالقضاء قائم کیا جانا مناسب ہے۔ حضرت صدر بورڈ دامت برکاتہم نے نیرول نیوبمبئی میں نصب قاضی کا حکم فرمایا ہے اس لئے میں ان شاء اللہ دہلی سے بمبئی جانے والا ہوں، ان شاء اللہ ۱۵/اگست کو وہاں قیام دارالقضاء کی کارروائی ہوگی، ارکان کمیٹی نے اس خبر سے مسرت محسوس کی اور اس کی تائید کی۔

☆ کنوینر کمیٹی نے بتایا کہ پونہ سے دو پہلے سے قائم دارالقضاء کے لئے بورڈ سے الحاق کی درخواست آئی ہے، بمبئی کے حالیہ سفر کے ساتھ ان دونوں مقامات کا بھی جائزہ لیا جائے گا اور کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں اس بابت فیصلہ کیا جائے۔

☆ کمیٹی نے طے کیا کہ کولہا پور سے قیام دارالقضاء کے لئے آئی ہوئی درخواست اور اورنگ آباد میں دارالقضاء کے نزاع کا جائزہ کمیٹی کا ایک وفد ماہ اکتوبر یا نومبر میں جائے اور ان کی بابت فیصلہ کرے۔

☆ کشمیر میں دارالقضاء کے قیام اور قضاء تربیتی کیمپ کے بارے میں طے پایا کہ ابھی کشمیر کے حالات ان کاموں کے لئے مناسب نہیں ہیں، حالات نارمل ہونے کے بعد اس بارے میں کوئی قدم اٹھایا جائے۔

دیگر:

بورڈ کے جنرل سکریٹری محترم مولانا سید نظام الدین صاحب کی طرف سے مؤرخہ کو ایک خط تمام ارکان بورڈ کے نام خبرنامہ کے لئے علمی تعاون کے واسطے جاری کیا گیا۔

اس طرح تمام اخبارات ورسائل کے نام ایک خط جاری کیا گیا کہ وہ اپنے اخبار/رسالہ/جریدہ میں بورڈ کے ای میل ایڈریس اور ویب سائٹ کا اشتہار فی سبیل اللہ شائع فرمائیں۔

رمضان المبارک اور قرآن

ڈاکٹر فضل الرحمٰن المدنی
رکن بورڈ، مالیگاؤں

الحمدلله و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد قال الله تعالی: ﴿شہر رمضان الذی أنزل فیه القرآن هدی للناس و بینات من الهدی و الفرقان﴾ البقرة : ۱۸۵،و قال فی موضع آخر: ﴿ انا أنزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین﴾الدخان: ۳، و قال فی موضع آخر: ﴿انا أنزلناه فی لیلة القدر﴾(القدر:۱)

پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے اور حق و باطل میں فرق کرنے اور ہدایت ورہنمائی کی واضح نشانیوں کے طور پر قرآن کو نازل کیا اور دوسری آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے اور تیسری آیت میں فرمایا کہ ''ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلی والی آیت میں جو مبارک رات میں اس کے نازل کرنے کا ذکر ہے اس مبارک رات سے مراد شب قدر ہی ہے، اور ہم سب کو معلوم ہے کہ شب قدر رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ اس طرح یہ دونوں آیتیں بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں جس پر پہلی آیت یعنی ﴿شہر رمضان الذی أنزل فیه القرآن﴾ دلالت کرتی ہے اور ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی مبارک مہینہ میں اللہ تعالی نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور اس کی وحدانیت کی واضح نشانیوں و دلائل کے ساتھ قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔ اس طرح یہ مہینہ قرآن مجید کے نزول کا مہینہ ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال اس ماہ مبارک میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہر رات اس کا دور فرمایا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''کان النبی صلی الله علیه وسلم أجود الناس ، وکان أجود ما یکون فی رمضان حین یلقاه جبرئیل، وکان یلقاه جبرئیل فی کل لیلة من رمضان، فیدارسه القرآن و لرسول الله صلی الله علیه وسلم أجود بالخیر من الریح المرسلة''، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخی رمضان میں اس وقت ہوتے جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے، اور وہ آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے چنانچہ آپ ان پر قرآن پڑھتے تھے اور اس وقت آپ چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔

بہر حال رمضان المبارک میں آپ کا قرآن کے ساتھ اعتناء بڑھ جاتا تھا، قرآن کریم اور رمضان المبارک میں ایک دوسرے ناحیہ سے بھی تعلق اور مناسب ہے کہ جس طرح اس ماہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا اسی طرح مسلمانوں پر اسی ماہ کے روزے بھی فرض کیے۔ ارشاد الہی ہے ﴿فمن شہد منکم الشہر فلیصمه﴾ جو اس ماہ میں گھر پر موجود رہے تو اسکے روزہ رکھے۔

نیز قرآن کریم اور روزہ دونوں قیامت کے دن بندے کے لئے سفارش کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' الصیام و القرآن یشفعان للعبد یوم القیامة، یقول الصیام: ای رب منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعنی فیه، ویقول القرآن : منعته النوم باللیل فشفعنی فیه

فیشفعان'' (رواہ أحمد والبیہقی)فی شعب الایمان وقال الألبانی : أسنادہ حسن) قیامت کے دن روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لئے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا اے پروردگار میں نے اسے دن میں کھانے پینے اور شہوتوں سے روک دیا تھالہذا میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اسے رات کوسونے سے روک دیا تھا اس واسطے میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما، چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اس واسطے اس مبارک ماہ میں قرآن کی تلاوت، سماع اور دروس وغیرہ کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔ قرآن کریم تو وہ مقدس کتاب ہے جس کی تلاوت ہر اعتبار سے اجروثواب اور خیروبرکت کا باعث ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ، والحسنۃ بعشر أمثالھا، لا أقول الم حرف، ولکن الف حرف و لام حرف و میم حرف ''(رواہ الترمذی وقال: حدیث صحیح غریب) یعنی جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے۔ اور نیکی کو اس کے دس گنا بڑھا دیا جاتا ہے (اس طرح قرآن کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں) میں نہیں کہتا ہوں کہ ﴿الم﴾ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے، اور میم ایک حرف ہے۔ اس طرح صرف ﴿الم﴾ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

قرآن کریم وہ مقدس کتاب ہے جس کے پڑھنے اور پڑھانے والے کو زبان رسالت سے بندوں میں سب سے اچھا ہونے کی سند ملی ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے''خیرکم من تعلم القرآن و علمہ''(رواہ البخاری) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے۔

یہ وہ مقدس کتاب ہے جس کے درس کی مجلس میں شرکت کرنے والوں پر سکینت کا نزول ہوتا ہے انھیں فرشتے چاروں طرف سے اپنے گھیرے اور جھرمٹ میں لے لیتے ہیں، انہیں رحمت ڈھانک لیتی ہے اور ان کا ذکر خیر اللہ جل شانہ اپنے مقرب فرشتوں میں کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''ماا جتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ و یتدارسونہ فیما بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ و غشیتھم الرحمۃ و حفتھم الملائکۃ و ذکرھم اللہ فیمن عندہ ''(رواہ مسلم وأبوداؤد وغیرھما) جب بھی کچھ لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھا ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اور آپس میں درس وتدریس کا اہتمام کرتے ہیں، ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے، انھیں رحمت الٰہی ڈھانک لیتی ہے اور فرشتے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور ان کا تذکرہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس کے فرشتوں میں فرماتا ہے۔

قرآن اللہ کی وہ پاکیزہ کتاب ہے جس کے اندر ایسی کشش ہے کہ اگر اس کی بلند اور اچھی آواز میں تلاوت کی جائے تو فرشتے اس کے سماع کے لئے بالکل قریب آجاتے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت اسید بن حضیرؓ سے مروی ہے کہ وہ رات کوسورۃ بقرۃ کی تلاوت کررہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے قریب ہی بندھا ہوا تھا تھوڑی دیر میں گھوڑا گھومنے اور چکر لگانے لگا تو میں نے پڑھنا بند کردیا گھوڑا بھی پرسکون ہوگیا۔ جب گھوڑا پرسکون ہوگیا تو میں پھر پڑھنے لگا۔ اس سے گھوڑا پھر بدکنے اور کھونٹے کے اردگرد گھومنے لگا چنانچہ پھر میں نے پڑھنا بند کردیا اور گھوڑا ابھی پرسکون ہوگیا اس کے بعد پھر پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا پھر بدکنے لگا جس سے مجبور ہوکر میں نے پڑھنا بالکل بند کردیا کیونکہ میرا لڑکا یحیی قریب میں لیٹا ہوا تھا اور میں ڈرا کہ کہیں وہ کچل نہ جائے اور اس کوکوئی تکلیف نہ لاحق ہوجائے، جب صبح ہوئی تو میں نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے فرمایا: اے ابن حضیر تمہیں اپنی قرأت جاری رکھنی چاہئے۔ ابن حضیر تمہیں قرآن پڑھتے رہنا چاہئے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یحیی کچل نہ جائے، وہ اس کے قریب ہی تھا، پھر میں سر اوپر کی طرف اٹھایا اور اس کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں ایک چیز سایہ کی طرح ہے جس میں چراغوں کی طرح قمقمے ہیں پھر میں باہر نکل کر دیکھتا رہا

یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانتے ہو وہ کیا تھا؟ کہا نہیں آپ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت کی آواز سننے کے لئے قریب آگئے تھے۔ اگر تم قرآن پڑھتے رہتے تو صبح لوگ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور وہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہوتے۔

قرآن وہ بابرکت کتاب ہے کہ اس کو مہارت سے پڑھنے والے قیامت کے روز معزز فرشتوں کے ساتھ ہوں گے اور اٹک اٹک کر پڑھنے والوں کے لئے دوثواب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذى يقرأ القرآن و يتتعتع فيه و هو عليه شاق له أجران“ (متفق عليه واللفظ لمسلم) قرآن کا ماہر نیک اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسے اس کے پڑھنے میں مشقت ہوتی ہے اس کے لئے دو اجر ہے۔

قرآن والوں کو قیامت کے دن کہا جائے گا: قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کی سیڑھیوں پر چڑھتے جاؤ جہاں تم آخری آیت پڑھو گے وہیں تمہاری منزل ہوگی۔

اس طرح ہر مسلمان کو اس کے (قرآن کے) کے یاد رکھنے اور ترتیل کے ساتھ پڑھنے کے اعتبار سے جنت میں اعلی مقام ملے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”يقال لصاحب القرآن اقرأ و ارتق و رتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فان منزلتك عند آخر آية تقرأ بها“ (رواه الترمذى وقال الالبانى فى صحيح الترمذى (۲۹۱۴) حسن صحیح)

قرآن والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا، اور اسی طرح ترتیل سے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسے دنیا میں پڑھا کرتا تھا، کیونکہ تیری منزل اسی جگہ ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھے گا۔

قرآن کبھی کبھی دوسرے سے بھی سننا چاہئے جس کی قرأت اچھی ہو اور آواز بھی خوب صورت ہو اور اس کے معانی ومطالب پر بھی غور کرنا اور عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا: میں آپ پر قرآن پڑھوں حالانکہ آپ پر تو اس کا نزول ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسی بات نہیں، میری خواہش ہے کہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں چنانچہ میں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ میں نے جب آیت کریمہ ﴿فكيف اذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء شهيدا﴾ (وہ وقت کیسے ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے)۔ کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا: ”كف أو أمسك“ بس کرو پھر میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھیں اشک بار ہیں (متفق علیہ)

بہر حال قرآن کریم ہر اعتبار سے بہت ہی بابرکت کتاب ہے، اسے اللہ تعالی نے سید الأولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سید الملائکۃ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل فرمایا ہے اور جس شہر میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی اسے ام القری (تمام بستیوں کی ماں) اور جس امت کے لئے اس کا نزول ہوا اسے خیر الامم کا شرف عطا کیا اور اس کے نزول کے لئے رمضان المبارک جیسے مقدس ومحترم مہینے اور شب قدر جیسی بابرکت وفضیلت والی رات کا انتخاب فرمایا۔

اس واسطے میرے مسلمان بھائیو! اس مقدس کتاب کی قدر ومنزلت کو پہچانو، اس کے حقوق کو سمجھو اور خاص طور سے رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اس کی نماز اور خارج نماز ہر طرح بکثرت تلاوت پر توجہ دو اور اپنے دامن مراد کو نیکیوں سے بھر لو، خود پڑھو اور اپنی بیوی بچوں کو پڑھنے کے لئے کہو، مساجد میں اس کی تلاوت اور درس کا اہتمام کرو۔ اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عربی مسلم سماج سے متعلق ایک اہم انٹرویو

حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی صاحب مدظلہ العالی کویت میں قیام پذیر ہندوستان کے ایک جید عالم ہیں جو عصر حاضر کے تقاضوں اوراس کی نزاکتوں پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور مختلف مسائل پر ان کی عمیق تحریریں عربی اور اردو میں شائع ہوتی رہتی ہیں، بعض اہم ایشوز پر ان کا انٹرویو پیش خدمت ہے۔ مرتب: محمد حامد ندوی

س پوری دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے، ہر سماج و معاشرہ ایک دوسرے سے متاثر ہو رہا ہے، اس منظرنامے نے عرب معاشرے کو کس حد تک متاثر کیا ہے؟ عرب معاشرہ دوسرے تمام معاشروں سے کن امور میں ممتاز و مختلف ہے؟

ج نقل وحمل کے وسائل اور رز و دروی وز و درسانی کے ذرائع نے ہی پوری دنیا کو ایک گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے اور اتصالات و مواصلات کی برق رفتاری اس زمانہ کی شناخت بن کر رہ گئی ہے اور فضائی چینل اور انٹرنیٹ کے جال نے بر و بحر سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور بڑی طاقتوں اور غالب قوموں نے کمزور اور مغلوب قوموں پر اپنا تہذیب وتمدن تھوپنے اور مسلط کرنے کے لئے ایجوکیشن، انفارمیشن ٹکنالوجی، میڈیا کے وسائل اور فوجی طاقت سب کا استعمال کر رکھا ہے، اس لئے قدرتی طور پر عرب اور غیر عرب سبھی اس کی زد میں ہیں اور سبھی متاثر ہو رہے ہیں، مالی وسائل اور پٹرول کی دولت نے یورپ اور امریکہ تک عربوں کی رسائی زیادہ آسان کر رکھی ہے اور مشرق وسطی پر اہل مغرب کی للچائی نظر اور وہاں کے قدرتی وسائل اور علاقہ کی مرکزیت اور اسٹرٹیجیکل اہمیت کی وجہ سے صورت حال اور زیادہ خطرناک اور پیچیدہ ہوگئی ہے اور ہر میدان میں اہل مغرب کے تفوق نے عرب دنیا کے ایک طبقہ کو اس حد تک متاثر کر لیا ہے کہ وہ اپنی تہذیب وثقافت سب کو فراموش کر چکا ہے، البتہ عربوں کی اکثریت چونکہ مسلمان ہے اس لئے ہر طرح کی کوششوں کے باوجود عرب معاشرہ اپنی بہت سی خصوصیات اب بھی برقرار رکھے ہوئے ہے اور دینی واخلاقی قدریں ہی اس معاشرہ کا امتیاز ہیں۔ البتہ مختلف عرب ملکوں میں ان قدروں کی حفاظت کے لحاظ سے فرق واختلاف پایا جاتا ہے، تیونس اور الجزائر وغیرہ پر مغربی چھاپ زیادہ گہری ہے مصر کا حال بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔

س جدید سائنس وٹیکنالوجی میں عرب باشندے پوری طرح یورپ و امریکہ کے دست نگر ہیں یا ان میں بھی اس میدان کے عبقری افراد تیار ہو رہے ہیں؟

ج جدید سائنس اور ٹکنالوجی میں تمام ہی مسلم ممالک یورپ و امریکہ کے دست نگر ہیں، تیسری دنیا میں پیدا ہونے والے عبقری افراد بھی مختلف اسباب کی وجہ سے مغربی دنیا کو ہی اپنا ٹھکانہ بنانے پر مجبور ہوتے ہیں اور جب تک عالم اسلام کی یہ صورتحال رہے گی اسے چین و سکون کی زندگی میسر نہیں آسکتی، بڑی طاقتیں اس طرح کی صلاحیتوں کو پنپنے دینا بھی نہیں چاہتیں اور تمام عرب اور مسلم دنیا کو اپنے شکنجے میں رکھنا چاہتی ہیں اور خود مسلمان بھی عرب ہوں یا عجم ؎

کس رہے ہیں اپنے منقاروں سے حلقہ جال کا
طائروں پہ سحر ہے صیاد کے اقبال کا

س تقریبا دو صدیوں سے خواتین کے حقوق و مسائل پر ایک لامتناہی اور کثیر جہتی Debate (بحث) جاری ہے جس کے نتیجہ میں عورتوں کے مقام و مرتبہ کے تئیں کافی بدلاؤ آیا ہے، آزادی نسواں جیسے افکار وخیالات کے حاملین اس بات کے دعویدار ہیں کہ حیاتیاتی اختلاف کے باوجود مرد وعورت کے درمیان کوئی

ایسا فرق نہیں ہے جس کی بنیاد پر عورتوں کو سرگرم سیاست، ملک وملت کی قیادت جیسی ذمہ داریوں کو نبھانے کا اہل نہ سمجھا جائے جیسا کہ اسلام کی تعلیم ہے، اس تعلق سے عرب ملکوں میں پیور (Pure) سائنس اور سماجی علوم کے میدان میں ہورہی تحقیقات کو سامنے رکھ کر کیا کاوشیں دیکھنے کو مل رہی ہیں، کیا وہاں کی دانشگاہوں میں دراسات نسائیہ کے الگ سے شعبے قائم ہیں؟ ''تحریر المرأة'' نامی کتاب کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

ج تعلیمی ترقی مردوں کی ہو یا عورتوں کی دونوں ہی مطلوب ہیں اسلام نے عورتوں کی تعلیم پر پابندی نہیں لگائی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے البتہ عورت اور مرد دونوں کے لئے ان کی جسمانی ساخت اور فطری ذمہ داریوں کے لحاظ سے الگ الگ میدان کار طے کر دیا ہے اس لئے نہ عورتوں کو مرد بننے کی کوشش کرنی چاہئے اور نہ مردوں کو عورتوں کی خصوصیات اپنانی چاہئیں۔

آزادئ نسوان کا نعرہ ساری انسانی معاشرہ کو خراب کرنے اور عورتوں کی عزت وشرافت کو پامال کرنے کے لے بلند کیا گیا تھا اس سے سب زیادہ نقصان خود عورتوں کو پہنچا چنانچہ گلی کوچوں میں ان کو بدنام کیا گیا، ہر تجارتی مال کے اشتہار کا ان کو عنوان بنایا گیا اور ان کو عریاں اور ان کی عزت وناموس کو تار تار کر کے ہر چورا ہے، ہر بلڈنگ اور حیا سوزی کے ہر مرکز پر ان کی قد آدم عریاں یا نیم عریاں تصویریں آویزاں کی گئیں اور انہیں فریب یہ دیا گیا کہ اسی میں تمہاری آزادی اور حقوق کی بازیابی ہے۔

اسلامی تعلیمات بے حد متوازن ہیں، ان کی رو سے عورتوں کو اپنی زنانہ خصوصیات برقرار رکھتے ہوئے ہر طرح کی ترقی کی گنجائش ہے، لیکن ان کی اصل ذمہ داری اچھی انسانی نسل کی تیاری ہے اور اسی میں ان کی راحت بھی ہے۔ عورتوں کو مختلف مسائل میں اپنی رائے کے اظہار پر اسلام نے پابندی نہیں لگائی ہے البتہ جو وضع قطع اور دائرہ کار اس کے لئے طے کر دیا ہے، اس کی پابندی ہی میں اس کے لئے خیر ہے، آزادی کا مفہوم عریانی ہرگز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس سے خود عورتوں کی عفت و عصمت کا خون ہوتا ہے، ان کی زنانہ خصوصیات پامال ہوتی ہیں۔

اکبر مرحوم کے بقول:

لطیف رہ نہیں سکتی جو زن ہے بے پردہ
سبب یہ ہے کہ نظروں کی مار پڑتی ہے

عورتوں کی تعلیم کے لئے علیحدہ کالج اور علیحدہ شعبوں کا قیام صرف عورتوں کے ہی نہیں مردوں کے بھی مفاد میں ہے، اور اب تو خود امریکہ اور یورپ میں بھی یہ صدائیں بلند ہونے لگی ہیں کہ مخلوط نظام تعلیم سے طلبہ اور طالبات دونوں کی صلاحیتوں کا خون ہوتا ہے اور تعلیمی ترقی کی راہ میں یہ چیز رکاوٹ بن کر رہ گئی ہے۔

''تحریر المرأة'' نام کی کتاب اب سے ۸۰/۷۰ سال پہلے قاسم امین نے لکھی تھی جس کا جواب فرید وجدی نے دیا تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد کی ''مسلمان عورت'' اسی کا چربہ ہے، لیکن وہ تو اب فرسودہ اور فراموش ہو چکی ہے، ''تحریر المرأة فی عصر الرسالة'' نامی کتاب بہت ہی مفید معلومات ہے لیکن اس پر ایک مبسوط اور محتاط مقدمہ کی ضرورت ہے تا کہ ''آزادئ نسواں'' کا نعرہ بلند کرنے والے لوگ اپنے بعض غلط خیالات کی شرعی سند اس میں تلاش کرنے نہ لگیں، اس کتاب کے عربی ایڈیشن میں شیخ محمد الغزالی اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی وغیرہ نے جو مقدمے لکھے ہیں وہ اپنی اہمیت کے باوجود اس نقطۂ نظر سے تشنہ اور ناکافی ہیں، اس پر ایک ایسے مقدمے کی ضرورت ہے جس میں اس انسائیکلوپیڈیائی کتاب میں درج ذیل معلومات اور نصوص کے استعمال کے پس منظر اور مواقع کی نشاندہی کی جائے تا کہ اس سے غلط مفہوم نہ نکالا جا سکے۔

س عرب ملکوں میں نکاح کی کتنی قسمیں ہیں؟ کیا علماء ان کی تائید کرتے ہیں؟ کیا جسم فروشی کی بھی کوئی شکل وہاں پائی جاتی ہے؟

ج شادی یا نکاح کی جو شکل اسلام نے متعین کر دی ہے وہی اصل ہے اور جو شرائط رکھی ہیں وہ صحیح ازدواجی رشتہ کے لئے بہرصورت ضروری ہیں کہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں اور اعلان کے ساتھ ہو۔ بعض شکلیں

سماج کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں ان کو شرعی طور پر اسی وقت صحیح کہا جا سکتا ہے کہ جب اس میں ان شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو جن کی شریعت نے تحدید کی ہے۔

دنیا بھر میں غلط رخ پر چلنے والوں نے ایسی راہیں تلاش کر لی ہیں جن کے ہوتے ہوئے جسم فروشی کے مخصوص ٹھکانوں کی ضرورت اب باقی نہیں رہ گئی، عرب ہوں یا عجم غلطی کرنے والے ہر جگہ پائے جاتے ہیں لیکن عام معاشرہ اس طرح کی لعنتوں سے پاک ہوتا ہے۔

شادی کی نئی قسمیں یا شادی کے نئے نام بعض سماجی الجھنوں کی پیداوار ہیں مثال کے طور پر بعض عرب ملکوں میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جن کی شادی کی عمر گذر چکی ہوتی ہے اور نکاح کا پیغام آنے کا ان کے لئے چانس نہیں ہوتا ایسی عورتیں ''عوانس'' کہلاتی ہیں جو یقیناً معاشرے کے لئے ایک بڑا مسئلہ ہیں۔ اب اگر ''نکاح مسیار'' کے ذریعہ اس کا حل نکل آئے تو برا کیا ہے؟ اس نکاح کا حاصل یہ ہے کہ خاتون اپنے نفقہ اور سکنی کے حق سے خود دستبردار ہو جاتی ہے کہ ہمیں نہ گھر چاہئے اور نہ مکان۔ لیکن اس کے جائز ہونے کے لئے گواہوں کی موجودگی اور اعلان وغیرہ کی شرط بدستور برقرار رہے گی۔

''زواج عرفی'' کا رواج تو ہندوستان میں بھی ہے کہ گاؤں دیہات کی بیشتر شادیوں کا سرکاری طور پر رجسٹریشن یا اندراج نہیں ہوتا، لیکن شادی کی یہ شکل بھی اسی صورت میں صحیح کہلائے گی جبکہ دیگر شرائط پوری ہوں۔

دل میں طلاق کی نیت رکھ کر شادی کرنا اسلام کے معاشرتی نظام سے ہم آہنگ نہیں ہے لیکن ''زواج بنية الطلاق'' کو ضرورت کی بنیاد پر جائز قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ عقد کے وقت اس کا اظہار نہ کیا جائے صرف دل میں خیال ہو جس کے بدل جانے کا امکان بہر صورت رہتا ہے۔

اس کے علاوہ آئے دن

زواج الونـاسة، زواج الفرند، ، زواج الكاسيت، زواج الولد جیسے الفاظ بعض اخبارات میں نظر آتے ہیں، لیکن انہیں شادی کی قسمیں نہیں کہا جا سکتا بلکہ بے راہ روی کی شکلیں ہیں جو شرعی حیثیت سے درست نہیں ہیں نہ ان کو عرب ملکوں کا عام رجحان کہا جا سکتا ہے۔ صرف ''زواج الفرند'' جو درحقیقت برائی کی روک تھام کی ایک کوشش یا کھلی ہوئی حرام کاری سے بچانے کی ایک تدبیر کہی جا سکتی ہے اور یہ عرب دنیا کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مغربی ممالک خاص طور پر امریکہ و برطانیہ وغیرہ میں رہنے والے مسلم خاندانوں کی پریشانیوں کے حل کی ایک کوشش ہے۔

صورت حال یہ کہ ان خاندانوں کی لڑکیاں اگر گرل فرینڈ کی حیثیت سے کسی نوجوان کے ساتھ جڑ گئیں تو ماں باپ کا ان پر کوئی بس نہیں چلتا اور وہاں کی گرفت کے ڈر سے کسی طرح کی سختی بھی ایسی بچیوں یا بچوں پر وہ نہیں کر سکتے اور مجبوراً انہیں خون کے آنسو پینا اور کھلی حرام کاری کو انگیز کرنا پڑتا ہے اس لئے بجائے گرل فرینڈ یا بوائے فرینڈ کے ناجائز رشتے کے اس طرح کے نوجوان کو شرعی طور پر ازدواجی رشتہ میں جوڑ دینے کا نام ''زواج الفرند'' رکھا گیا ہے جو درحقیقت بگاڑ کی اصلاح کی ایک کوشش ہے۔

س کیا خواتین کے حقوق سے متعلق کچھ مخصوص قوانین نافذ ہیں؟ اگر ہیں تو ان کی تفصیلات کیا ہیں؟

ج اسلام کے عائلی قوانین ساری دنیا کے لئے ہیں اور مسلم پرسنل لا میں کتر بیونت کرنا نہ مسلمان ملکوں میں درست ہے اور نہ غیر مسلم ملکوں میں۔

تیونس، الجزائر اور انڈونیشیا وغیرہ میں اگر وہاں کی لادینی حکومتوں کی طرف سے کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں تو وہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتیں اور نہ ان تبدیلیوں کو غیر مسلم ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف حجت کے طور پیش کیا جا سکتا ہے۔

مسلمان کسی خطہ میں بستے ہوں ان کے دینی قوانین جن میں

عائلی قوانین بھی شامل ہیں یکساں ہیں اور قرآن وسنت سے مأخوذ ہیں، بعض چیزوں میں اختلاف فقہاء کے اجتہادات پر مبنی ہیں، سوڈان، لیبیا، موریتانیا، الجزائر وغیرہ کے بیشتر مسلمان امام مالکؒ کے مذہب پر عمل پیرا ہیں، اس لئے وہاں کے قوانین کی اساس فقہ مالکی پر ہے جو دوسرے مذاہب سے محض بعض جزوئی مسائل میں مختلف ہے، بنیادی چیزیں یکساں ہیں۔

یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ مصر، شام اور اردن وغیرہ کے عائلی قوانین فقہ حنفی ہی کے اصولوں پر مدون کئے گئے ہیں بعد کے حالات کی وجہ سے ان میں بعض جزوی ترمیمیں کی گئی ہیں لیکن ان کی اصل پرداخت فقہ حنفی پر ہے، اس لئے ان میں کافی ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔

بلکہ صعید مصر کے بہت سے علاقوں میں آج بھی نکاح نامہ پر نکاح خواں ''تزوجت علی سنۃ اللہ ورسولہ وعلی مذہب ابی حنیفۃ النعمان'' تحریری طور پر لکھتا ہے یا زبانی طور پر شادی کرنے والے جوڑے سے کہلاتا ہے کہ میں نے اللہ ورسول کے قوانین پر اور امام ابوحنیفہ النعمان کے مذہب کے مطابق شادی کی''

س **فلسطینی مسلمانوں اور اسرائیلی یہودیوں کے درمیان شدید منافرت پائی جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود محبت اور دوسرے عوامل کے تحت ان کے درمیان شادیاں ہوتی ہیں، ان شادیوں کا تناسب کیا ہے؟**

ج میرے پاس اس طرح کے اعداد وشمار نہیں ہیں، ایک اخباری رپورٹ کے مطابق چالیس ہزار سے زیادہ اسرائیلی عورتیں مصری شہریوں کے نکاح میں ہیں، ممکن ہے تعداد اب اور زیادہ بڑھ گئی ہو۔

منافرت کی فضا ''صہیونی یہودیوں'' کے خلاف ہے اور اس میں بھی دنیا کے سیاسی حالات کی وجہ سے کمی آرہی ہے، پھر بھی بیشتر شادیاں باہمی تعلقات کے نتیجہ میں ہوتی ہیں، دینی تقاضے ہمیشہ ملحوظ نہیں رہ پاتے۔ بہت سے مسلم نوجوان دوسرے ماحول میں اس طرح رنگ جاتے ہیں کہ ان میں قومی شعور اور بسا اوقات دینی شعور بھی ناپید ہوجاتا ہے جس کے اسباب میں ناجائز اختلاط یونیورسیٹوں اور ملازمتوں میں نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کی یکجائی، عریاں اور حیا سوز فلمیں، بدبودار اور متعین لٹریچر، تباہ کن رقص وسرور کی محفلیں اور پھر انٹرنیٹ کے ذریعہ زندگی کے لئے ہم سفر کی تلاش کی کوشش وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں۔

س **سلام میں شادی کے لئے کفاءت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، تاہم عربی یا عجمی کی کوئی قید نہیں ہے، ایسی صورت میں عرب مسلمان ہم ہندوستانیوں کو وہاں کی لڑکیوں سے شادی کرنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے جبکہ وہ ہندوستان آکر یہاں کی دوشیزاؤں کو بیاہ کرلے جاتے ہیں۔ یہ ناانصافی کیوں؟ اس میں کیا شرعی قباحت ہے؟**

ج مسئلہ کفاءت کا نہیں ہے، مال کے حصول اور اسباب معیشت کی سہولتوں کے لئے بعض علاقوں کی لڑکیاں عربوں سے شادی کرتی ہیں، البتہ عمر میں حد سے زیادہ تفاوت کی صورت میں شادی کا رشتہ بسا اوقات ان لڑکیوں کے لئے پریشانیوں کا باعث ہوتا ہے۔ پھر بھی وہاں کی شہریت کی لالچ میں اور مال ودولت کے حصول کے رجحان نے اس طرح کی ناہمواریاں پیدا کررکھی ہیں، بعض ملکوں کے قوانین ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص غیر ملکی عورت سے نکاح کرلے تو شادی کے لئے مخصوص اعانت اسے نہیں مل پاتی، یوں بھی آرام وراحت کی زندگی چھوڑ کر تکلیف ومشقت کی زندگی برداشت کون کرنا چاہتا ہے؟

س **اسلام نے شادی کو کافی آسان بنایا ہے لیکن دوسرے مذاہب وادیان اور تہذیب وثقافت کے زیر اثر جہیز وتلک جیسے بہت سے بے جا رسم ورواج مسلم معاشرے میں درآئے ہیں، کیا عرب معاشرہ ان آلائشوں سے پاک ہے؟ یا وہ بھی ان خرافات سے دوچار ہے؟**

ج جس طرح تلک یا گھوڑے جوڑے کی رسم کی وجہ سے ہندوستانی لڑکیوں کی شادی مشکل سے ہو پاتی ہے، اسی طرح عورتوں کی طرف سے گرانقدر مہر کے مطالبہ کی وجہ سے عرب نوجوانوں کی شادی

بآسانی نہیں ہو پاتی اور برسہابرس تک انہیں انتظار کرنا پڑتا ہے، خاص طور پر ان عرب ملکوں میں جہاں لوگوں کی آمدنی کا تناسب کم یا جہاں کی آبادی زیادہ ہے۔

اسلام نے کم خرچ شادی کو بابرکت قرار دیا ہے لیکن عرب وعجم دونوں جگہوں کے معاشرے قبائلی اور جاہلانہ رسم ورواج کی جکڑ بندیوں کی وجہ سے پریشانیوں اور پیچیدگیوں میں مبتلا ہیں، اور ان کا علاج اصلاحی کوششوں اور اسلامی قدروں اور تعلیمات کی پابندی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔

س عرب ملکوں میں شادی کے لئے عمر کی کوئی قید ہے یا نہیں؟

ج شریعت نے شادی کے لئے عمر کی تحدید نہیں کی ہے لیکن ازدواجی رشتہ کے تقاضوں کو پورا کرنا شعور اور پختگی کی عمر میں ہی ممکن ہوتا ہے، چھوٹی عمر میں شادی کرنے میں ''حق ولایت'' کا بعض دفعہ ماں باپ ناجائز استعمال کرتے ہیں اس لئے لوگوں کو شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے، کویت اور بعض دوسرے ملکوں کے پرسنل لا میں ۵۲ رسال کی عمر کو پہنچ جانے والی لڑکی کو اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

فقہی حیثیت سے فقہ حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب میں بغیر ولی کے نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے، لیکن مسئلہ کا دوسرا رخ بھی ہے کہ خود مسلم معاشروں میں بھی عورتوں کو ان کے بہت سے جائز حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے اور ان کو طرح طرح سے ظلم وزیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور مردوں کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس اور مال کے لالچ سے نہ جانے کتنی بے قصور خواتین جہیز اور تلک کی لعنت، سسرال کے لوگوں کی مالی ہوس اور ماں باپ کی جہالت کا شکار ہوئیں۔

س اسپورٹس (کھیل کود) کے تعلق سے عرب ملکوں کی کیا پالیساں ہیں، ان میں عورتوں کی حصہ داری کتنی ہے؟

ج اسپورٹس (کھیل کود) کو ساری دنیا نے ایک فتنہ بنالیا ہے، آئے دن کھیلنے والوں کی بے راہ روی کی داستانیں چھپتی رہتی ہیں، منشیات کے استعمال سے لے کر جنسی اسکینڈلوں تک کے واقعات اب یکا دکا نہیں رہے۔

اسپورٹس (کھیل کود) اگر نوجوانوں کی جسمانی لیاقت کو بڑھانے، ان میں مردانگی و جانبازی کے اوصاف پیدا کرنے کے لئے ہوں تو اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، شہسواری، نشانہ بازی وغیرہ کی مشقوں کا صراحت کے ساتھ احادیث وآثار میں ذکر آیا ہے۔

لیکن اگر جسمانی ریاضت ناجائز حصول زروزن کا ذریعہ اور نوجوانوں کی مردانگی کو سلب کرنے کا وسیلہ بن جائے یا اس مین اس طرح نوجوانوں کو محو کردیا جائے کہ ان کو دین ودنیا کے تقاضوں کا سرے سے احساس ہی نہ رہے، تو پھر اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

بہرکیف کھیل کی دنیا میں مسلم ممالک اہل مغرب کے نقش قدم پر ہیں، البتہ سعودی عرب جیسے بعض ملکوں میں خواتین کو اس طوفان بلاخیز میں جانے کی اجازت نہیں ہے ورنہ بیشتر عرب ملکوں کی اتھلیٹس دنیا کے دوسرے ملکوں کے دوش بدوش اسپورٹ میں حصہ لیتی ہیں۔

مردوں کی نظروں سے دور اگر عورتیں اپنی جسمانی لیاقت کو درست کرنے کے لئے جائز کھلیوں میں شرکت کریں تو شریعت اس سے نہیں روکتی لیکن اسپورٹس کا عالمی موجودہ نظام فلمی دنیا کی طرح بہت سی بیماریوں کا باعث بن گیا ہے جس سے نئی نسل کو بچانا ضروری ہے۔

س تعلیمی میدان میں ماضی کے مقابلے عورتوں نے کافی ترقی کی ہے، بعض ملکوں میں تو عورت ومرد کا تناسب تقریبا برابر ہے، عرب ملکوں میں خواتین کی تعلیمی صورت حال کیا ہے؟ ان کے اوقات تعمیری کاموں میں صرف ہوتے ہیں یا دوسری عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنے یا ٹیلی ویزن کے سامنے ہی ان کا دن کٹ جاتا ہے۔

ج عورتوں کی تعلیم کے میدان میں عرب دنیا میں زبردست تبدیلی آئی ہے، کویت سعودی عرب اور دیگر خلیجی ریاستوں میں عورتیں مردوں سے تعلیمی میدان میں سبقت لے جارہی ہیں اور تعلیم یافتہ خواتین کا

تناسب بے حد بڑھا ہوا ہے، یہ بات بے حد خوش آئند ہے لیکن عورتوں کی تعلیم کے ساتھ ان میں دینی واخلاقی قدروں کا فروغ بھی بے حد ضروری ہے تا کہ اکبرالہ آبادی کی پھبتی سے وہ آزاد رہیں:

حامدہ چمکی نہ تھی کالج سے جب بے گانہ
تھی
اب وہ شمع انجمن ہے پہلے چراغ خانہ تھی

اور معاشرہ کی تعمیر اور نئی نسل کی تربیت میں اہم رول ادا کرسکیں۔

س **غیر مسلموں کا عرب معاشرے پر یہ الزام کہ وہ دیگر اقلیتی فرقوں کے ساتھ تعصّبانہ برتاؤ کرتا ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے؟**

ج پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان دیگر اقلیتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے آئے ہیں اور ان کو شہری ہونے کی حیثیت سے مسلم معاشرے میں پورے حقوق حاصل رہے ہیں۔

آج بھی مصر میں قبطیوں اور دوسرے ملکوں میں بسنے والے غیر مسلموں کو خود اپنے مذہب کی اکثریت والے ملکوں سے زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔

مصر کے بعض اہل قلم عیسائیوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی حکومت سے لے کر آج تک مسلمانوں کے عہد اقتدار میں انہیں مکمل امن وسکون حاصل رہا ہے، تعصب کا شکار تو وہ بے چارے غریب مسلمان ہیں جن کی بوسنیا اور دوسرے یورپی ملکوں میں نسل کشی کی گئی ہے، اس لئے عرب اور مسلم ملکوں پر یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

سوال-۱۴ پوری دنیا میں خواتین دوسرے ظلم وستم کے ساتھ ساتھ Domestic Violence (خانگی تشدد) کی شکار ہیں، عرب معاشرہ اس سے کہاں تک محفوظ ہے؟

جواب-۱۴ المناک حقیقت یہ ہے کہ خواتین نہ صرف مردوں کے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہیں خود اپنی ہی ہم جنس ساس اور نند کے نرغہ میں بھی رہتی ہیں، اس طرح کے خانگی تشدد کی مثالیں عربوں میں گو کہ عام نہیں ہیں لیکن واقعات بہر حال پیش آتے ہی رہتے ہیں خواہ شوہر کی طرف سے ہو یا شوہر کے اعزہ واقارب کی طرف سے۔

س **بیسوی یا اکیسوی صدی میں عرب خواتین میں کسی نے کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا ہے؟**

ج غیر معمولی کام نہ مردوں کی طرف سے سامنے آرہے ہیں اور نہ عورتوں کی طرف سے جس کی ایک بڑی وجہ یکسوئی کا فقدان، میڈیا کا بے لگام فتنہ اور زندگی میں مادّہ پرستی کا غلبہ ہے، تاہم وقتاً فوقتاً ادب ولٹریچر کی دنیا میں کچھ مفید چیزیں سامنے آتی ہی رہیں۔

س **عالمی فیشن نے عرب معاشرہ پر کیا اثرات ڈالے ہیں؟**

ج عالمی فیشن سے سب سے زیادہ متاثر عرب عورتیں ہیں، یورپ وامریکہ اور فرانس کی مارکٹوں کی رونق عرب سرمایہ دار خواتین کی فیشن پسندی ہی سے ہے۔

اخراجات کے عالمی اعداد وشمار کا گوشوارہ دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ فیشن پر مسلمان مرد وعورت جتنا خرچ کرتے ہیں اس سے کئی حکومتوں کا بجٹ پورا ہوسکتا ہے۔

س **رمضان المبارک میں کویت کا ماحول کیسا رہتا ہے؟**

ج رمضان المبارک میں کویت کا ماحول بڑا با رونق اور پرنور ہوجاتا ہے، روزے اور تراویح کے علاوہ آخری عشرہ میں قیام اللیل کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، اجتماعی رشتے بھی استوار رہتے ہیں، دیوان خانے خوب آباد ہوجاتے ہیں اور باہم رمضان اور عید کی مبارکبادیوں کے تبادلہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی تمام مسلمانوں کو ماہ مبارک کی سعادتوں سے بہرہ ور کرے (آمین)

صفائے قلب و باطن

مولانا محمد الف نقشبندی

رکن بورڈ، گجرات

مذہب اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو عبادت و بندگی کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس اور صفائے قلب و باطن کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کیا ہے جملہ انبیاء کرام بالخصوص تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو تزکیہ نفس کی تعلیم تاحیات دیتے رہے، اور اپنے پاکیزہ کردار اور نگاہ نبوت سے صحابہ کرام کے دلوں کو پاک فرماتے رہے۔ ارشاد ربانی ہے، و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و یزکیھم (نبی اپنی امت کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور انہیں پاکیزہ بناتے ہیں)

انبیاء کے بعد صحابہ کرامؓ اولیاء عظامؒ اپنی محنتوں سے خلق خدا کو راہ طریقت کا راہی بناتے رہے، بندوں کے قلوب کو منور و مجلی فرماتے رہے، یہ سلسلہ تا ابد جاری و ساری رہے گا۔

انسان ہمیشہ عملی طور پر اپنے سے اعلی درجہ زیادہ صاحب ثروت کی طرف دیکھتا ہے: بہت کم لوگ مالی اور خوشحالی کے شعبہ میں اپنے سے ادنی کی طرف دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرنے کی طرف توجہ دیتے ہیں، الا یہ کہ جسے اللہ توفیق عطا کرے یہیں سے انسان کے دلوں میں حرص و طمع، عداوت و نفرت پیدا ہوتی ہے بسا اوقات یہ بغض و حسد اور عداوت و دشمنی اسے خسران کے راستہ پر ڈال دیتی ہے۔ اور انسان سماج میں ایک دوسرے کی عداوت میں عمر تمام کر دیتا ہے۔ پھر وہ غیر شعوری یا شعوری طور پر اس مرض مہلک میں مبتلا ہو کر نور باطن سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے۔

جس طرح سگریٹ اور تمباکو کا دھواں انسان کے پھیپھڑے کو داغدار ہی نہیں بلکہ جسمانی نسوں اور نالیوں کو تنگ اور زنگ آلود کر کے سیلان خون کو کم کرتے کرتے ایک دن حرکت قلب کو بند کر دیتا ہے اور انسان موت کی دہلیز پر پہونچ جاتا ہے بالکل اسی طرح کبر و نخوت بغض و عداوت انسانی دلوں کو میلا کر کے نور باطن اور نور ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔

صحابۂ کرام تابعین اور تبع تابعین اور دیگر ائمہ و محدثین کے علاوہ قرون اولی اور قرون وسطی کے بزرگان دین اور صوفیاء عظام کی زندگیوں اور ان کے احوال و آثار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تمام تر عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کی غایت اور محنتوں کا ماحصل تزکیۂ نفس اور صفائے قلب و باطن ہی تھا، شب و روز کی عبادتوں کا اصل مقصد یہی ہوتا کہ انہیں صفائے قلب اور تزکیۂ نفس نصیب ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بندۂ مومن کے لئے احکام شرع کی پابندی ضروری ہے اور صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی کے لئے طہارت جسم لازمی جز ہے بالکل اسی طرح بارگاہ ایزدی میں سرخروئی کے لئے تزکیۂ نفس اور صفائے قلب لازمی چیز ہے۔ راہ طریقت پر چلنا، اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا، در درویشاں کی جاروب کشی اور فیضان اولیاء سے خود کو مستفیض کرنا ضروری ہے۔

اک ساعت صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

مومن کے لئے جس طرح اللہ کی بندگی لازمی امر ہے اسی طرح صفائے قلب و باطن کے خواہش مندوں کے لئے حرص و ہوس اور ہر کار شیطانی سے اجتناب ضروری ہے یہی مدعائے زندگی و بندگی ہے۔

دلوں کی طہارت اور تزکیۂ نفس ہی اصل تصوف و طریقت ہے یہی غایت تقوی اور یہی حاصل زندگی اور کمال بندگی ہے۔ اگر دل صاف نہ ہو تو اس پر نہ عبادت کے نقوش جمتے ہیں، نہ حلاوت ایمانی، نہ ثمرات تقوی میسر ہوتا ہے۔ تطہیر باطن کے لئے یہاں میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو حصول تقوی کے لئے کوشاں ہیں، رہے وہ لوگ جو اس راہ کے مسافر ہی نہیں اور جنہوں نے اللہ کی رضا جوئی کی طرف اپنی توجہات کو مبذول ہی نہیں کیا ان کے لئے صفائے قلب اور نفس کی پاکیزگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صفائے قلب و باطن کیا ہے؟

تزکیۂ نفس اور تطہیر باطن سے کیا مراد ہے جو ہمیں حاصل نہیں ہوتی، مثلاً ہماری لاشعوری میں اللہ کے بندوں کے لئے کسی نہ کسی نہاخانے میں عناد اور عداوت پنہا ہوتی ہے۔ ذاتی پسند اور ناپسندیدگی کی بنا پر ہم کسی شخص سے حسد کرتے ہیں مگر چونکہ وہ لاشعوری میں ہوتا ہے اس لئے عموماً ہمارے دلوں میں یہ خیال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم صحیح کر رہے ہیں یا غلط، ہمارا کردار شرعاً درست بھی ہے یا نہیں، یہی افعال قبیحہ ہمارے دلوں کو زنگ آلود اور سیاہ سے سیاہ تر کر رہا ہوتا ہے اور بندہ رفتہ رفتہ نور باطن اور طہارت قلب کو کھو بیٹھتا ہے۔

روزمرہ کی زندگی میں جہاں بھی ہم پیشہ لوگ ہوں بغض وعناد کا پہلو کارفرما ہوتا ہے دو کاروباری انسان ہی کو لے لیں اگر دونوں کی دکان آمنے سامنے ہوتی ہے اور ایک کی دکان اچھی چلتی ہے، گاہک زیادہ آتے ہیں، بکری بھی خوب سے خوب تر ہوتی ہے تو دوسری طرف سامنے والے جس کی دکان کم چلتی ہے گاہک بھی کم آتے ہیں، تو بس پھر کیا ہے یہیں سے عناد کی شروعات ہو جاتی ہے اب کم گاہک والا دکاندار سامنے والا دکاندار سے میل جول رکھتا ضرور ہے بات چیت بھی ہو جاتی ہے مگر چونکہ اس کے دل میں بغض وعناد پیدا ہو چکا ہوتا ہے اور یہ اپنے سے اچھے کاروباری سے کینہ رکھنا شروع کر دیتا ہے اس لئے میل جول میں وہ خلوص اور کشش نہیں ہوتی ہے جو ایک مرد مومن سے توقع کی جاتی ہے۔

الغرض یہ سلسلہ نیچے سے اوپر تک چلا جاتا ہے عوام سے لے کر پڑھے لکھے انسان تک، طلبہ سے لے کر مدرسین تک، کاروباری سے لیکر رہنما تک حتی کہ دین سے وابستہ رکھنے والے پیران عظام بھی اس مرض مہلک سے منزہ ومبرا نہیں ہیں الا ماشاءاللہ۔

رہے تبلیغ دین اور خدمت دین کے وابستگان، کسی دینی تحریک کے رفقاء وارکین تو یہاں بھی لوگ عناد کے شکار ہوتے ہیں، چاہے ان کی انفرادی زندگی کا معاملہ ہو یا مذہبی ومسلکی شعبہ، انہیں کی طرح کام کرنے والے ہم پیشہ لوگ ہوں یا ہم مکتب وہم مسلک لوگ ہوں۔ ایک دوسرے کی چغلی کرنا انکی شکایات کرنا کسی کی ذاتی زندگی کو کرید کر ان کے عیوب کو لوگوں کے سامنے افشا کرنا یہ سب شعوری ولاشعوری دونوں میں ہوتا ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کے مکتب فکر کے ہر فرد سے عداوت رکھتے ہیں اور اپنے سے دوسرے مسلک والوں پر الزام اور بہتان تراشی کرنے اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کردار و گفتار سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان کی زندگی اسی کام کے لئے وقف ہے۔

صد حیف تو یہ ہے کہ دیندار حضرات بھی یہ سب کچھ بزعم خویش خدمت دین اور اصلاح ملت سمجھ کر ہی کرتے ہیں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک مصلح قوم وملت ہوتا ہے، دینی خدمات کے لئے ان کی زندگی وقف ہوتی ہے۔ کسی پر تنقید کرنا کسی کے کردار میں عیب لگانا ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا عوام الناس میں ایک دوسرے کی بدنامی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا وغیرہ یہ سب کچھ اپنے طور پر وہ اصلاح کے خاطر ہی تو کرتے ہیں۔ وہ اپنے ذہن اور دماغ تقریر وتحریر کو معصوم سمجھ کر بے دھڑک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں، اگر ان عناد رکھنے والوں سے پوچھا جائے کہ جناب آپ کو ان سے کوئی عناد تو نہیں تو وہ بھی قسم اٹھا کر کہہ دیں گے کہ مجھے ان سے ذاتی طور پر کوئی دشمنی نہیں بلکہ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور وہ راہ راست پر آ جائے، میں تو صرف ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جو ہر ذمہ دار شخص کا فرض ہے، اللہ جل مجدہ ایسے لوگوں کو حسن جستجو کی توفیق عطا فرمائے، یہی حضرات خلوت میں بیٹھ کر اگر ان ساری چیزوں کے پس منظر پر غور فرمائیں تو بڑی آسانی سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جناب جو اچھال رہے تھے ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں تھی اور اگر انہیں فراست مؤمنانہ کا تھوڑا سا حصہ اللہ کی طرف سے عطا ہو جائے تو ان کے سامنے حقیقت کھل کر آ جائیگی، وہ اپنے شعور میں کارفرما بغض وحسد کو ضرور بھانپ لیں گے کہ وہ سب اصلاح نہیں نفس کا بہکاوا تھا لیکن اگر یہ جذبہ ان کی لاشعور ہی میں رہ جائے تو اس کی حقیقت کا واضح ہونا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ لاشعور کی سطح پر جو روحانی امراض دبے رہتے ہیں وہ زیادہ مہلک ہوتے ہیں اور انسان میں فساد کا زہر گھولتے رہتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انسان اپنی اصلاح اور تزکیۂ نفس کی جستجو میں رہے، اس طرح اصلاح بھی ممکن ہے نیز نور ایمان کی حلاوت بھی حاصل ہوسکتی ہے جو انسان کی بندگی کا مقصود ومطلوب ہے۔

یک ساعت صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

❀ ❀ ❀ ❀

شریعت کس لئے؟

مترجم: عبدالقدوس نقوی

گذشتہ ماہ روون ولیمز آرک بشپ آف کنٹربری نے لندن میں ایک (بلیغ) عالمانہ لیکچر اس عنوان پر دیا کہ آیا برطانوی نظام قانون کے تحت غیر مسیحی عدالتیں کچھ عائلی مسائل کا فیصلہ کر سکتی ہیں۔ برطانیہ میں کلیسا اور ریاست کے درمیان کوئی دستوری علیحدگی نہیں ہے، آرک بشپ نے کہا کہ چرچ آف انگلینڈ (کلیسائے برطانیہ) کا قانون ہی ریاست کا قانون ہے، درحقیقت مسیحی شرعی عدالتیں جو کبھی شادی اور طلاق کے فیصلے کرتی تھیں وہ آج بھی برطانوی نظام قانون کا حصہ ہیں اور کلیسا کے اثاثہ جات اور عقائد سے متعلق امور کے فیصلے کرتی ہیں۔ ان کی عبوری تجویز یہ تھی کہ اگر تمام پارٹیاں اس سے اتفاق کریں اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کی خصوصی شرط کے ساتھ اسلامی اور قدامت پرست یہودی عدالتوں کو شادی و طلاق کے تنازعات کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔

اس کے بعد جیسے آسمان ٹوٹ پڑا۔ ہر طبقہ کے سیاستداں، کلیسا کے عہدیدار اور ہر جگہ ملنے والے چھوٹے سائز کے اخبارات نے یک زبان ہو کر شور مچایا کہ آرک بشپ اپنا بیان واپس لیں یہاں تک کہ ان سے استعفے کا مطالبہ بھی کیا گیا، یہ مطالبہ اس شخص سے کیا گیا جو دنیا کی دوسری سب سے بڑی مسیحی برادری کا روحانی پیشوا ہے۔ ولیمس گذشتہ سال سے اپنے عالمی فرقہ انجلیکن عیسائیوں کو متحد رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس میں ان کے ذریعہ ہم جنس پرست پادریوں کو منصب عطا کرنے اور ہم جنسی شادیوں کو تسلیم کرنے کے سبب انتشار پیدا ہو گیا ہے، لیکن ان دونوں متنازعہ امور میں ان کے خلاف اتنا شور نہیں مچایا گیا جتنا شرعی عدالتوں کی بابت ان کی تجویز پر ہنگامہ ہوا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آرک بشپ ولیمز نے قدامت پرست یہودی قوانین کا جو ذکر کیا اس پر شور و غوغا نہیں ہوا بلکہ یہ لفظ شریعہ تھا جو عوامی مباحثہ اور اتنے شور و غل اور ہنگامہ کا سبب بنا۔

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک مغربی ملک میں شریعت کو ایک حد تک سرکاری حیثیت عطا کرنے کے بارے میں شور و ہنگامہ ہونے پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ دیگر نظام پر ایسا دباؤ نہ پڑا ہوگا، شریعت کا نام سنتے ہی بعض لوگوں میں خوف کی لہر دوڑ جاتی ہے، ہاتھ کاٹ دینا، زناکار کو سنگسار کرنا، عورتوں پر جبر وستم۔ اس کے برعکس کسے یاد ہے کہ برطانوی نظام قانون میں جو اس قدر ہر دل عزیز ہے اس میں سینکڑوں جرائم کی سزا موت ہوتی تھی، اس میں ۵ شلنگ یا اس سے زائد کی کسی شے کی چوری بھی شامل تھی، کتنے لوگ آج اس بات کو جانتے ہیں کہ ۱۸ ویں صدی تک بیشتر یورپین ممالک میں اذیت رسانی تعزیری نظام انصاف میں سرکاری طور پر منظور ایک حصہ تھی جہاں تک جنس کی بنیاد پر دوہرا انصاف کا سوال ہے تو عورت کو جائداد کا حق حاصل نہیں تھا بلکہ قانون کے تحت اپنے شوہر سے الگ ان کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی۔ جب انگریزوں نے اپنی کالونیوں (قبضہ کئے ہوئے ممالک) میں مسلمانوں پر شریعت کی جگہ اپنے قوانین کا اطلاق کیا تو شادی شدہ خواتین اپنی اس جائداد کے حق سے محروم ہو گئیں جو اسلامی شریعت کے تحت انہیں برابر حاصل تھا۔ اسے مشکل سے ہی دو جنسوں کے درمیان مساوات کی طرف پیش رفت کہا جا سکتا ہے درحقیقت اپنی تاریخ کے

بیش تر حصے میں اسلامی قوانین نے ایسے فراخدلانہ (لبرل) اور مشفقانہ اصول عطا کئے جو دنیا میں کہیں اور رائج نہیں تھے۔

آج جب ہم چند جرائم کے لئے شریعت کی جانب سے مقرر کردہ شرائط کی بابت سنتے ہیں تو ہم شاذ و نادر ہی اس ثبوت و بہم رسانی کے اس اعلیٰ معیار کا اعتراف کرتے ہیں جو ان سزاؤں کے نفاذ کے لئے ضروری ہے۔ زنا کے بارے میں تعزیری حکم جاری کئے جانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ مجرم خود چار مرتبہ ارتکاب جرم کا اقبال کرے یا چار صالح کردار کے گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ انہوں نے بچشم خود یہ فعل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمارے اپنے قانونی نظام کی انتہا پسندی۔ مثلاً بعض دفعہ ڈرگس (نشہ آور اشیاء) سے متعلق نسبتاً معمولی کیسوں میں عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ایسی سزاؤں کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ہم اس کا ذکر کرنا بھول جاتے ہیں جو حال ہی میں ہمارے عائلی قوانین میں عبوری بہتری لانے کے لئے عمل میں لائے گئے ہیں۔ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی شریعہ کی ضرورت ہے جیسا کہ اہل مغرب کو مدت سے اسلام کی ضرورت رہی ہے جسے ہم بطور کینوس استعمال کر کے اپنی دہشت زدگی کے خیالات کو پیش کر سکیں اور اس کے مقابلے میں خود کو اچھا ثابت کر سکیں۔

دوسری طرف عالم اسلام ہے جہاں گذشتہ چند سالوں میں شریعت کی مقبولیت اور اس کے احیاء کا غیر معمولی دور آیا ہے، ایک صدی قبل ترقی پسند مسلمان شریعت کو فرسودہ، اصلاح کی محتاج بلکہ شاید اسے ترک کرنے کی بھی سوچنے لگے تھے۔ آج مصر میں ٦٦ فیصد، پاکستان میں ٦٠ فیصد اور اردن میں ٥٤ فیصد لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ملک میں شریعت قانون سازی کا ماخذ و مصدر ہونا چاہئے، اسلامی سیاسی پارٹیاں خصوصاً اخوان المسلمین جیسی تنظیمیں جو متعدد ملکوں میں کام کرتی ہیں وہ اپنے سیاسی پلیٹ فارم سے شریعت کو بروئے عمل لانے پر سب سے زیادہ زور دیتی ہیں اور یہ پیغام دوسروں تک پہنچتا ہے، عرب ممالک میں جہاں کہیں اسلام پسندوں کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت ہے تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ تمام سیٹیں جیت لیں جو حکومت نے ان کے لئے مخصوص کی ہیں۔ اسلام پسندوں کی تنظیمیں خواہ کسی شکل میں ہوں اعتدال پسند یا انقلاب پسند وہ بآسانی سب سے زیادہ فروغ پانے والی تنظیمیں ہیں اور عالم اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں شریعت کی جانب رجعیت ان کا بڑا نعرہ ہے۔

ایسا کیوں ہے کہ اہل مغرب اسلام کے جس جس پہلو کو سب سے زیادہ غیر مؤثر اور ماقبل جدید دور کی چیز سمجھتے ہیں وہ بہت سے مسلمانوں کے لئے اسلامی احیاء کی عالمی تحریک کے لئے سب سے زیادہ توانا اور پرکشش پہلو ہے، اس کا جواب اس فرسودہ مفروضے سے آگے جانا چاہئے کہ مسلمان شریعت کو خواتین کی تحریکوں کو دبانے اور خواتین کو کنٹرول کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر اب جیسا کہ بہت سی خواتین اسلام پسندوں کی عموماً حامی اور شریعت کے آئیڈیل کی بطور خاص تائید کرتی ہیں

کیا شریعت قانون ہے؟

مغربی اور اسلامی نقطہ نظر میں اختلاف کا ایک سبب یہ تو ہے کہ ہم سب اس نقطہ سے ایک ہی مفہوم مراد نہیں لیتے اگرچہ عام طور پر لفظ شریعہ اور اصطلاح اسلامی قانون کو بطور متبادل بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن انگریزی میں اس کا یہ معمولی سا ترجمہ اس مفہوم کو پوری طرح ادا نہیں کرتا جس کی لفظ شریعت میں ایک مومن کے لئے کشش ہوتی ہے ،شریعت کو اگر صحیح طور پر سمجھا جائے تو یہ صرف چند ضوابط و قوانین کا ہی مجموعہ نہیں ہے، ایک مومن کے لئے اس کا مفہوم بہت گہرا اور بلند ہے جو اخلاقی اور مابعد الطبیعاتی و دینی مقاصد سے سرشار کرتا ہے۔ بطور بنیاد شریعت یہ مفہوم اور تصور پیدا کرتی ہے کہ تمام انسان اور انسانی حکومتیں شریعت کے تحت انصاف کی پابند ہیں۔

درحقیقت شریعت وہ لفظ نہیں ہے جو روایتی طور پر عربی میں

اسلامی قانون کے استدلال کیلئے استعمال کیا جاتا ہے یا اس کے ذریعہ جو فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ وہ لفظ فقہ ہے جس کا مفہوم اسلامک جورس پروڈنس (فقہ اسلامی) ہوتا ہے، لفظ شریعت سے جو مفہوم ادا ہوتا ہے وہ ذات الٰہی سے تعلق کو ظاہر کرتا ہے، چند ایسے اصول وعقائد کا مجموعہ جن میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں جو خدا کی مرضی کے مطابق زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں۔ اہل مغرب عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کی وکالت کرنے والے صرف قرآن مجید کو اپنا قانونی ضابطہ بنانا چاہتے ہیں لیکن در حقیقت یہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ اسلام پسند سیاست داں اس معاملے میں کافی مبہم دکھائی دیتے ہیں کہ شریعت بطور ماخذ قانونی مملکت سے حقیقتاً کیا مراد ہے اور اگر اسے بطور اصول قبول بھی کر لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس کو بروئے عمل کس طرح لایا جائے گا۔؟

شریعت کا مفہوم بہتر طریقہ پر یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ ایک قسم کا اعلیٰ تر قانونی ضابطہ ہے، البتہ اس میں کچھ دنیاوی احکام بھی ہیں، تمام مسلم اس سے اتفاق کریں گے کہ سود پر روپیہ دینا حرام ہے، لیکن ایسی سرمایہ کاری ممنوع نہیں جس میں خطرہ اور منافع دونوں کا امکان ہے اور مسلمانوں پر ایسے الکحل (شراب) پینا بالکل حرام ہے، مذہب کی آزادانہ تشریح کرنے والے بھی اسے مانتے ہیں۔ شریعت سے متعلق بعض ضوابط بلاشبہ پرانے طرز کے اور سخت ہیں مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات نہیں رکھی جاتی، مثلاً عورتوں کے لئے طلاق کا عمل شروع کرنا آسان نہیں ہے اس کے لئے انہیں اپنے مہر کی رقم سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، اغلام (لواطت) بھی حرام ہے اگر چہ تاریخی اعتبار سے اکثر یہ قابل نفاذ نہیں رہا، لیکن اس سے ایک ہی جنس کے افراد کے درمیان تعلق کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن شریعت میں رشوت اور عدالت میں بے جا طرفداری کی بھی ممانعت ہے۔ شریعت امیر وغریب کے درمیان مساوی سلوک کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ عزت کے نام پر قتل کئے جانے کی بھی مذمت کرتی ہے حالانکہ مشرق وسطیٰ کے بعض ممالک میں اب بھی ایسا ہوتا ہے، شریعت ہر ایک کی جائداد کی حفاظت کرتی ہے اس میں عورتوں کی جائداد بھی شامل ہے اور کسی کو ان سے اسے ہتھیانے کی اجازت نہیں دیتی۔ ایران کے علاوہ جہاں عورتوں کو سر ڈھانکنا لازمی ہے اور قانونی طور پر اس کا نفاذ کرنے کے لئے مذہبی پولس سرگرم رہتی ہے، اکثر مسلم ممالک میں اسلامی دانشوروں کا نظریہ یہ ہے کہ سر ڈھانکنا اسلامی ضابطہ لباس کو مذہبی فریضہ کے طور پر نافذ کرتا ہے یہ اچھا معاشرتی نمونہ ہے، لیکن ایک قابل نفاذ قانونی ضابطہ نہیں ہے۔ اور ارتداد کے جرم پر سزائے موت دینا منتخب شدہ اکثر اسلام پسندوں کے ایجنڈے میں شامل نہیں ہے۔ بہت سے مسلمانوں کے لئے جو کرپٹ آمریت کے تحت رہ رہے ہیں ان کے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ جنسیت، رجعت پسندی یا وحشیانہ سزائیں دینا نہیں ہے، بلکہ اس سے ان کی مراد اسلامی ضوابط کو نافذ کرنے کی ہے جنہیں مغرب سیاسی انصاف کے سب سے بیش قیمت اصول قرار دیتا ہے یعنی قانون کی حکمرانی۔

دانشوروں کا رجحان

سیاست کی گہری اپیل کو سمجھنے کے لئے ہم چند سوال پوچھنا چاہتے ہیں جو مغرب میں شاذ و نادر ہی پوچھے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت اسلامی قوانین کا نظام کیا ہے؟ اپنی زندگی میں پیغمبر محمد (ﷺ) مسلمانوں کے روحانی پیشوا بھی تھے اور سیاسی رہبر بھی۔ قرآن جو انہیں وحی کیا گیا اس میں عبادت سے متعلق بعض ارکان کا بیان ہے، نیز وراثت کا بیان بھی ہے لیکن عمومی طور پر یہ قانون کی کوئی کتاب نہیں ہے اور اس میں وہ طویل قانونی ضابطہ (کوڈ) بھی نہیں ہے جیسا کہ عبرانی انجیل (توراۃ) میں ہے، جب مسلمانوں کی نئی نسل کو کسی مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہوئی جس کا قرآن میں ذکر نہیں ہوتا تو وہ براہ راست حضرت (محمد ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ یا تو خود اس مسئلہ کا حل بتا دیتے یا پھر انہیں اشتباہ ہوتا تو وحی کا انتظار کرتے حضرت محمد (ﷺ) کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور روحانی وسیاسی قیادت چند اصحاب (خلفاء) (اس عربی

لفظ کے معنی جانشین) کے ہوتے ہیں کو تفویض ہوئی جو پیغمبر (ﷺ) کے نقش قدم پر چلے جب بعض مشکل قانونی (شرعی) مسائل درپیش ہوئے تو ان خلفاء کو بھی دقت پیش آئی، خلفاء کے پاس حضرت محمد (ﷺ) کے اختیارات تو تھے لیکن وحی کے رابطہ سے محروم تھے۔ اس سے امت ایک قسم کی مشکل میں گرفتار ہوگئی، اگر قرآن مجید میں کسی مسئلہ کا حل پیش نہیں کیا گیا ہے تو اس کے حل کی کیا صورت ہوگی؟

اسلام کی پہلی دو صدی میں اس کا جو حل سامنے آیا وہ یہ تھا کہ قرآن کے ساتھ پیغمبر (ﷺ) کی حیات طیبہ (سنت/حدیث) کو بھی سامنے رکھا جائے۔ آپ کی سنت یعنی آپ کا طریقہ (سنت ہی سے لفظ سنی وضع ہوا ہے یعنی وہ شخص جو پیغمبر (ﷺ) کے طریقہ پر عمل پیرا ہے) آپ کے افعال و اقوال زبانی طور پر محفوظ رکھے گئے، غالباً اس کی روایت اس شخص سے کی جاتی جس نے ذاتی طور پر آپ کی بات یا عمل کو سنا یا دیکھا ہوتا۔ صحیح احادیث کو موضوع احادیث سے علیحدہ کیا گیا، لیکن بعد کے زمانے میں جس طرح کے قانونی و شرعی مسائل سامنے آگئے، بعض اوقات ان کے حل کے لئے احادیث بھی کافی نہیں ہوتی تھیں، ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے اس سے ملتے جلتے کسی مسئلہ کو جس کا قرآن و سنت میں ذکر ہے عقل کا سہارا لیا گیا۔ اس بات کا امکان بھی تھا کہ کسی خاص صورتحال میں کیا عمل کیا جائے، اس کے بارے میں اجماع کا وجود ہوا اور اسے بھی ایک اہم اور وزنی دلیل سمجھا جاتا تھا۔

یہ چار شرائط یعنی قرآن اور احادیث جن کے مجموعے تیار کر لئے گئے تھے، سابقہ نظیر کی روشنی میں تعقل (اجتہاد) اور اجماع ایک قانونی (شرعی) نظام کو بنیاد لیکن یہ بات کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چاروں عوامل ایک دوسرے سے مربوط تھے۔ درحقیقت ایسا سمجھنے کا اختیار کسے حاصل ہے کہ دوسرے اسباب سے نہیں بلکہ ان ہی مذکورہ عوامل نے شرع کی بنیاد فراہم کی۔ پہلے چار خلفاء راشدین جو ذاتی طور پر پیغمبر (ﷺ) سے واقفیت رکھتے تھے وہ شاید اپنے بارے میں اس قسم کا دعویٰ کر سکتے ہوں۔ لیکن بعد کے خلفاء کو ایسے ماہرین (علماء) کی بڑھتی ہوئی تعداد کا سامنا کرنا پڑا جو یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ مجموعی طور پر دستیاب مواد کی بنیاد پر قانون (شریعت) کی تصدیق و تعبیر کر سکتے ہیں یہ خود ساختہ گروپ اسکالرز (علماء) کے نام سے مشہور ہوا اور چند نسلوں کے بعد خلفاء کو بھی مجبور ہونا پڑا کہ وہ انہیں شریعت کے محافظ (گارجین) کے طور پر تسلیم کریں۔ اس شرع کی تشریح کر کے جو خدائے پاک نے نازل کی انہوں نے اس شرعی نظام کو اپنے کنٹرول میں لے لیا جو واقعتاً موجود تھا اس سے وہ خلیفہ کے بجائے خود پیغمبر (ﷺ) کے وارث بن گئے۔

سنیوں میں یہ نظام بہت پہلے رائج ہوگیا اور جدید دور تک برقرار رہا۔ شیعوں میں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اقتدار کی جانشینی صرف پیغمبر (ﷺ) کی نسل کے لئے مخصوص ہے پیغمبر (ﷺ) کے بہت سے جانشین تھے جو غیر معمولی غیبی اختیارات کے حامل ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، ان کے بعد شیعہ علماء نے بھی وہی کردار اپنایا جو ان کے سنی ہم منصب علماء کا تھا۔ اس فقہی نظریہ کے مطابق جو علماء نے اسلامی ریاست میں تقسیم کار کے لئے وضع کیا تھا خلیفہ کی سب سے بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نفاذ کرے جو کہ قرآنی فریضہ ہے لیکن یہ ایسا کام نہیں تھا جسے وہ بطور خود انجام دے سکتا تھا، اس لئے یہ ذمہ داری ان جج علماء (قاضی) کو سونپی گئی جو خدائی قانون (شرع) کا انہی تشریح کے مطابق نفاذ کرتے تھے، خلیفہ اپنی مرضی سے ان کی ترقی یا تنزلی کر سکتا تھا شرعی فیصلوں میں انہیں کسی طرح حکم نہیں دے سکتا تھا۔ عدلیہ کا اختیار خلیفہ کے پاس تھا لیکن شرعی قوانین علماء کے اختیار میں تھے۔

خلفاء اور پھر جب خلفاء اپنے اقتدار سے بڑی حد تک محروم ہوگئے تو علماء کو اقتدار حاصل ہوا انہیں اب بھی کافی اقتدار حاصل تھا اور خارجی امور میں بھی وہ کم و بیش اپنی صواب دید سے بھی فیصلے کرتے تھے۔ اور وہ ایسے احکامات بھی صادر کرتے جو انتظامی ضوابط سے متعلق ہوتے، ایسے ضوابط جو علماء کی رائے میں شرعی احکام سے متصادم نہ ہوں یہ ضابطے

ایسے امور کے بارے میں ہوتے تھے جن کی بابت شریعت خاموش ہے، انہوں نے مملکت کو اس قابل بھی بنایا کہ وہ معاشرتی روایات کو باضابطہ کرے، بجائے اس کے کہ فرد کو عدالت کے روبرو پیش کیا جائے، کیونکہ پختہ ثبوت فراہم کرنے کی شرط ایسی تھی کہ اس کی تعمیل کے بغیر کسی کو ماخوذ نہیں کیا جاسکتا تھا، ان ضوابط کے نتیجے میں بہت سے قانونی امور (غالباً اکثر) شرعی قواعد کے دائرے سے باہر ہوگئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوانین جو نافذ تھے اس میں کافی انحراف کی اجازت مل گئی آج کے اسکالر جو بطور ماخذ شریعت کی وکالت کرتے ہیں وہ بھی کسی ایسے مبسوط قانونی ضابطہ (کوڈ) کی سفارش نہیں کرتے جو شریعت سے حاصل کیا گیا ہو یا اس کے احکامات پر مبنی ہو۔ کیونکہ اسلامی تاریخ میں کبھی کوئی مبسوط چیز تھی ہی نہیں اور اسلام پسند سیاست دانوں کے لئے جو اس کی وکالت کرتے ہیں یا عوام جو اس کی حمایت کرتے ہیں ان سب کے لئے شریعت سے مراد کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ایسا قانونی نظام قائم کیا جائے جس میں خدا کا قانون بطور بنیاد کام کرے اور جو ایک منتخب قانون سازیہ کے ذریعہ بنائے گئے روزمرہ کے امور سے متعلق قوانین کا جواز فراہم کرے اور اختیار دے۔ بالفاظ دیگر ان کے نزدیک شریعت ایک جدید دستور کے طور پر کام کرے۔

حقوق العباد اور حقوق اللہ

لہٰذا عصری اسلامی ریاست میں جہاں نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس سے عموماً یہ مراد نہیں ہوتی کہ عورتوں کے لئے نقاب کو لازمی قرار دیا جائے یا سزائیں دینا اس کا ایک لازمی دستوری پہلو بھی ہوتا ہے، لیکن شریعت کو عام قانون سے بالاتر رکھنے کی مخصوص دلیل کیا ہے؟

اس کا جواب روایتی اسلامی حکومتوں کے حوالے سے مل سکتا ہے کہ شریعت کے تحت ایک ریاست ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ قانونی حکمرانی کے تابع رہی ایسی حکومت یعنی روایتی اسلامی ریاست کو وہ ماننا حاصل تھا جو اب آمریت یا آمرانہ بادشاہت کے تحت ضائع ہوگیا ہے جو گذشتہ ایک صدی سے عالم اسلام پر حکمراں ہیں۔ اسلامی حکومت کا جواز دو طرح سے تھا ایک تو یہ کہ وہ انہی رعایا کے انفرادی قانونی حقوق کا عموماً احترام کرتے تھے اور ایسا ظاہر بھی ہوتا تھا یہ انفرادی قانونی حقوق جو حقوق العباد کہے جاتے تھے (بمقابلہ حقوق اللہ جس کا تعلق عبادت سے ہے) اس میں حقوق زندگی، حقوق جائداد اور قانونی کارروائی بھی شامل ہے یعنی حکومت کے یک طرفہ جابرانہ اقدامات جس سے حفاظت کیلئے صدیوں سے لوگ جدوجہد کررہے ہیں بلاشبہ حکمراں کو قانون کا تابع قرار دینا ہی کافی نہیں تھا بلکہ حکمراں کو درحقیقت قانون کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ اس کے لئے اسے سہارے کی ضرورت تھی اور اس نظام حکومت نے علماء کے ساتھ توازن واعتدال کی شکل میں یہ سہولت اسے عطا کی۔ حکمراں کسی خاص مسئلہ میں ایک بار اپنی مرضی کے مطابق عمل کراسکتا تھا لیکن چونکہ قانون علماء کے اختیار میں تھے حکمراں کے ہاتھ میں نہیں، اس لئے حکمراں انصاف میں مجرمانہ مداخلت صرف اسی حال میں کرسکتا تھا کہ وہ قانون خداوندی کی خلاف ورزی کا سنگین الزام اپنے سر لے اور اس طرح اپنی حکمرانی کی بنیاد کو ہی کمزور کرے۔

عملاً علماء کو قانون (شریعت) کا احترام کرنے کا مطالبہ کرنے میں یہ امتیاز حاصل رہا کہ خلافت بطور استحقاق موروثی نہیں تھی۔ اس لئے ایسے نازک مواقع پر جب کسی خلیفہ کو منتخب کیا جاتا یا اس کے اقتدار کو چیلنج کیا جاتا تو یہ علماء بہت زیادہ اثر انداز ہوتے تھے۔ منصب سنبھالنے کے بعد نئے حکمراں کو خواہ اسے اس کے پیشرو نے بے جانشیں نامزد کیوں نہ کیا ہو متعدد دعویداروں سے نپٹنا پڑتا تھا، سب سے پہلی چیز جو اسے مطلوب ہوتی تھی وہ اس کی خلافت کے جواز کی تصدیق تھی۔ علماء یہ جواز عطا کرنے کو تیار ہوتے تھے بشرطیکہ وہ قانون شریعت کی پابندی کا عہد کرے۔

منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حکمراں کو دو لازمی خطرات کا مقابلہ کرنا ہوتا تھا، کسی غنیم کا حملہ، محلاتی سازش۔ خلیفہ کو ضرورت

ہوتی تھی کہ علماء فتوی جاری کریں کہ ریاست کی حفاظت کے لئے لوگوں کو جہاد کرنا چاہئے۔ بحران کے دوران علماء کی حمایت حکمراں کے لئے بہت مددگار ثابت ہوتی تھی جس کی بابت کہا جاتا تھا کہ وہ پابند شرع ہے، اگر کوئی حکمراں پابند شرع نہ ہوتا تب بھی علماء فوری طور پر اسے خلافت کیلئے نااہل قرار نہیں دیتے تھے ایسا کرنا غیر دانش مندانہ فعل ہوتا کیونکہ اس وقت علماء کے اختیار میں فوج نہیں ہوتی تھی جبکہ حکمراں کے تحت فوج ہوتی تھی لیکن ان کی خاموشی سے ظاہر ہوجاتا تھا کہ وہ دعویدار کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ آگے بڑھے اور اقتدار پر قابض ہوکر جواز حاصل کرلے، علماء کا اصرار تھا کہ حکمراں کو شریعت کا پابند ہونا چاہئے کیونکہ اس کی حکمرانی خدائے تعالی کی رضا پر منحصر ہے اور پر اعتماد اور خود پرداختہ عالم کی حیثیت سے یہ علماء پوری طرح قائم ہوتے تھے ایسے معاشرے میں جہاں ایک حکمراں سے دوسرے حکمراں تک اقتدار کی منتقلی ابتری بلکہ تشدد کا سبب بن جاتی تھی یہ بات بڑی اہم تھی۔ اور قانون کے نگراں ہونے کے ناطے علماء انتظامیہ کے اس اختیار کو محدود کرسکتے تھے کہ وہ عوام کی جائداد وغیرہ غصب کرے۔ علماء کے اس عمل کے جواب میں انتظامیہ کے اہل کار مالیہ جمع کرنے کے لئے جائز ٹیکس ہی لگاتے تھے اور اس کی وجہ سے حاکم کو مجبور ہونا پڑتا تھا کہ وہ رعایا سے متعلق امور میں دلچسپی لے۔ یہ علماء اور ان کے قوانین (شریعت) اسلامی معاشرہ کی اس عظیم کامیابی کے لئے کلیۃ جز و لازم تھے جس سے یہ معاشرہ اپنے آغاز سے انیسویں صدی تک مستفید ہوتا رہا شریعت کے بغیر بغداد میں ہارون رشید، وہ نہ مسلم اسپین کا سنہری دور۔ اور نہ استنبول میں سلیمان اعظم کا عہد ہوگا، کئی نسلوں تک اسلامی دستور کے مغربی طالب علم یہ فرق کرتے رہے کہ علماء حکمرانوں پر کوئی بامعنی اثر نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ ایک مؤرخ نے حال ہی میں لکھا ہے کہ اگر چہ شریعت بطور دستور کے کام کرتی تھی لیکن دستور قابل نفاذ نہیں تھا کیونکہ نہ تو علماء اور نہ رعایا اپنے حاکم کو مجبور کرسکتے تھے کہ وہ امور حکمرانی میں شریعت کو ملحوظ رکھے۔ لیکن کوئی دستور دنیا میں کہیں بھی غیر سرکاری عدلیہ کے کارکنوں کو اس قابل نہیں بنا سکتا کہ وہ انتظامیہ کو جو طاقت کے وسائل پر کنٹرول کرتی ہے مجبور کرسکیں کہ وہ دستور کی پوری طرح تابعدار ہے، امریکہ کی سپریم کورٹ کے پاس کوئی فوج نہیں ہے وہ ادارے جن کے پاس تلوار نہیں ہے انہیں انتظامیہ پر امتناع کے لئے بہت لطیف ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔ امریکہ کے دستور میں طاقت کے توازن کی مانند ہی روایتی اسلامی توازن الفاظ وخیالات کے ذریعہ رکھا جاتا تھا اس میں صرف جبر ہی شامل نہیں ہوتا تھا۔

اس لئے آج جب مسلمان شریعت کے بارے میں بات کرتے ہیں تو وہ قطعا تصور پسند نہیں ہوتے کہ شریعت ایک ایسی دستوری ریاست بنا سکتی ہے جو قانون کے تابع ہو، اسلام پسند سیاسی پارٹیاں شریعت کے بارے میں جو باتیں کرتی ہیں اس کا ایک سبب یہ ہے کہ ان کے عوام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت نے پہلے بھی ایسی متوازن بنائی تھی جس میں قانونی حقوق کا تحفظ کیا جاتا تھا اور یہ ایک اچھا شگون ہے۔

شریعت سے مطلق العنانی تک

لیکن اگر آج بھی مسلمانوں میں شریعت مقبول ہے کیونکہ نظام قانون سے اس کا تاریخی رابطہ رہا ہے تو کیا درحقیقت آج بھی یہ ویسا ہی کردار ادا کرسکتی ہے؟ یہاں احتیاط اور شک کی گنجائش ہے، مسئلہ یہ ہے کہ روایتی اسلامی دستور ایک ایسے توازن طاقت پر انحصار کرتا ہے جس میں حکمراں قانون (شریعت) کا پابند ہے، دوسرا طبقہ علماء جو اس قانون کی تشریح اور اس کا نفاذ کرتا ہے لیکن جدید دور کے بیشتر مسلم اکثریت والے ممالک میں اب یہ صورت حال نہیں ہے۔ وہاں کے حکمراں اس طرح کام کرتے ہیں گویا وہ قانون سے بالاتر ہیں اور اس کے تابع نہیں ہیں۔ جبکہ علماء جن کا کبھی بہت زیادہ رعب تھا وہ اب کم حیثیت ہوگئے ہیں۔ اب اگر وہ بطور جج کام بھی کرتے ہیں تو وہ عدالتیں ہیں جہاں صرف خاندانی تنازعات کی سماعت ہوتی ہے

صرف دو اہم مثالوں میں علماء آج بھی اصل اقتدار کے مالک

ہیں اوران دونوں مثالوں میں روایتی قانون سے انحراف پایا جاتا ہے پہلی مثال ایران کی ہے جہاں آیت اللہ خمینی نے جوخود ایک ممتاز عالم تھے عملی اقتدار حاصل کیا اور ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بعد ملک کے اعلی ترین قائد بن گئے۔ یہ انقلابی تبدیلی جو عالم اسلام کی تاریخ میں بے نظیر تھی، اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عالم حکمراں کے مقابل کوئی توازن نہیں تھا جو اس کے احکام وافعال پر روک لگا سکتا۔ چنانچہ وہ ایسا ہی غیر منصف حاکم بن گیا جیسا کہ کوئی مطلق العنان دنیا دار سیکولر حکمراں ہو جس کے اقتدار کے آگے کوئی قدغن نہ ہو۔ دوسری مثال سعودی عرب کی ہے جہاں علماء کو اب بھی کسی حد تک اقتدار حاصل ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ وہ حکومت کی جانب سے اٹھائے گئے کسی چھوٹے سے اصلاحی قدم کی رفتار سست کردیتے ہیں لیکن حکومت کو عوام کے آگے جوابدہ بنانے کے لئے کچھ خاص نہیں کرسکتے۔ تیل کی دولت سے مالا مال اس سلطنت کو کام چلانے کے لئے اپنے عوام پر ٹیکس لگانے کی ضرورت نہیں، اس لئے وہ ان کے مفادات کو بھی ذہن میں نہیں رکھتے۔

علماء نے بطور محافظ قانون (شریعت) اپنا اعلی مرتبہ کیسے کھودیا

یہ ایک پیچیدہ کہانی ہے لیکن مختصر طور پر بطور مثال یہ کہا جاسکتا ہے کہ جزوی اصلاحات بعض اوقات اصلاح نہ ہونے سے بھی بدتر ہوتی ہیں، ۱۹ویں صدی میں سلطنت عثمانیہ نے فوجی ہزیمتوں کے بعد کچھ داخلی اصلاحات کی تحریک شروع کی۔ سب سے اہم اصلاح شریعت کی تدوین تھی یہ مغربی طرز اپنانے کا طریق اسلامی قانونی روایات کے لئے اجنبی تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ شریعت کو جو عقائد واصول کا مجموعہ ہے اسے علماء کی انسانی کوششوں کے ذریعہ ضوابط کی شکل میں مرتب کرکے ایک کتاب میں جمع کردیا جائے جب قانون مدون ہوگیا تو اس نے علماء کی جگہ پر اپنا اختیار قائم کرلیا، اس تدوین نے علماء کو اہم ترین دعوی سے محروم کردیا کہ شریعت کی تعبیر وتشریح میں وہ حرف آخر ہیں اب یہ اختیار ریاست یعنی حکومت کو حاصل ہوگیا، علماء کو مطمئن رکھنے کے لئے حکومت نے شرعی عدالتوں کو برقرار رکھا لیکن اب وہاں صرف عائلی امور سے متعلق مقدمات کی ہی سماعت ہوتی تھی یہ حکمت عملی برطانیہ کی استعماری پالیسی کے مطابق تھی جس کے تحت مذہبی عدالتوں کو شخصی امور سے متعلق تنازعات کی سماعت کا اختیار برقرار رکھا گیا تھا۔ آج ان ممالک جیسے کینیا اور پاکستان وغیرہ میں شرعی عدالتیں عائلی مسائل کے فیصلے کرتی ہیں لیکن یہ ان کے اصلی اور تاریخی دائرہ اختیار وسماعت کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔

شرعی قوانین کی تدوین طبقہ علماء کے لئے موت کی گھنٹی تھی، لیکن اس سے توازن طاقت خود بخود ہی تباہ نہیں ہوگیا۔ ۱۸۷۶ء میں عثمانی دستور عمل میں آیا اس کے تحت دو ایوانوں پر مشتمل ایک مقننہ تشکیل دی گئی ایک منتخب اور دوسری سلطان کی جانب سے نامزد کردہ۔ یہ گویا عالم اسلام میں پہلا جمہوری ادارہ تھا۔ اگر یہ برقرار رہ جاتا تو عوام میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ قانونی اتھارٹی کا آخری ذریعہ عوام ہی ہیں تب قانون سازیہ انتظامیہ کے مقابلہ میں ادارہ جاتی توازن کے لئے علماء کی جگہ لے سکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا، ایک سال سے بھی کم عرصہ میں جب کہ قانون سازیہ کا پہلا اجلاس ہوا سلطان عبدالحمید ثانی نے اسے معطل کردیا، اس کے اگلے سال سلطان نے دستور کو بھی معطل کردیا تاہم سلطان نے علماء کی وہ پوزیشن بحال نہیں کی جس سے وہ اس سے قبل سرفراز تھے۔ جب علماء راستے سے ہٹادئے گئے اوران کی جگہ لینے کو قانون سازیہ بھی رہی تب سلطان کی حیثیت تقریبا مطلق العنان حکمراں کی ہوگئی۔ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد مسلم ممالک میں حکومت کے لئے یہی نمونہ بن گیا۔ قانون حکمراں کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا اور حکمراں پر اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا شاید وہ تعجب خیز نہیں تھا آمریت اور اسی انداز کے دوسرے طرز ہائے حکومت وانتظامیہ وجود میں آئے۔ یہ صورت حال ان اسلام پسندوں کے لئے ایک چیلنج ہے جو شرعی نظام بحال کرنا چاہتے ہیں۔

ایک جمہوری شریعت

آج اسلام پسند جزوی طور پر حقیقی صورت حال سے دور ہیں۔

جزوی طور پر یوں کہ خود ان میں مشکل سے ہی کوئی عالم ہے انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ علماء کی ماضی کی پوزیشن کو بحال کیا جائے تا کہ وہ انتظامیہ کے مقابل دستوری توازن قائم کر سکیں۔ اسلام پسندوں کی تنظیمیں دیگر جدید نظریاتی تنظیموں کی طرح پہلے اقتدار پر قابض ہونا چاہتی ہیں، اس کے بعد وہ جدید حکمرانی کو آلۂ کار بنا کر معاشرہ میں شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں، شریعت کو بروئے عمل لانے کے لئے ان کا خواب جدید طرز حکمرانی کے دو عمومی اداروں پر مشتمل ہے قانون سازیہ اور دستور۔

سنی اسلام پسندوں کی اکثریت جیسا کہ بطور مثال مصر میں اخوان المسلمین اور مراکش میں جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر منتخبہ قانون سازیہ ایسے قوانین مرتب کرے اور منظور کرے جو اسلامی قوانین کی روح سے ہم آہنگ ہوں، ایسے سوالات جن میں اسلامی قوانین واضح ہدایت نہیں دیتے جمہوری طور سے منتخبہ قانون سازیہ کو اختیار ہے کہ وہ اس بارے میں ایسا فیصلہ کر سکتی ہے اور ایسے قانون بنا سکتی ہے جو اسلامی اقدار کی روح رکھتے ہوں۔

نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قوانین کے نظریاتی ڈھانچہ میں بہت بڑی تبدیلی آرہی ہے، اب شریعت کو جمہوری بنا دیا گیا ہے یعنی اسے عوامی طور پر منتخبہ قانون سازیہ کے حوالے کر دیا گیا ہے، اب یہ قومی اسمبلی کے اختیار میں ہیکہ وہ ایسے قوانین پاس کرے جن میں شریعت کی روح منعکس ہو۔ کیونکہ دستور یہ اعلان کرتا ہے کہ شریعت قانون کا ماخذ ہے۔ لیکن اگر اسمبلی کوئی غلط قانون بناتی ہے تو اسلام پسند حلقے اکثر ایسی صورت حال میں عدلیہ سے رجوع کرتے ہیں تا کہ قانون سازی کے اس عمل پر نظر ثانی کی جائے اور اس بات کی ضمانت ملے کہ اسلامی قانون اور اقدار کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ بعض اوقات جسے اختلافی کلاز کہتے ہیں جس کے تحت یہ لازمی ہے کہ عدلیہ ایسے قوانین کو مسترد کر دے جو اسلامی روح سے متصادم ہیں۔ یہ کلاز اب متعدد حالیہ دساتیر میں شامل کر دی گئی ہے جس سے مقصد یہ ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں مطابقت پیدا کی جائے مثال کے طور پر افغانستان کے دستور میں جو ۲۰۰۴ء میں بنایا گیا اور عراقی دستور جو ۲۰۰۵ء میں بنایا گیا (راقم الحروف نے عراقی دستور مرتب کرنے والوں کے ساتھ بطور مشیر ایک چھوٹا سا کردار ادا کیا تھا) ان میں اسلامی عدالتی نظر ثانی ضابطہ عدالت عظمی کو اس کا ضامن بناتا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کے ساتھ مطابقت پیدا کرے۔ جیسا کہ افغانستان میں ہے اور ایک سے زیادہ معتدل تدوین جیسا کہ پاکستان میں ہے۔

اسلامی عدالتی نظر ثانی ادارہ نے اب وہی پوزیشن اختیار کر لی ہے جو کبھی علماء کی تھی علماء کی مانند اس عدالت کے جج اب اسلامی قانون کے شارح کے طور پر کام کرتے ہیں لیکن بلا شبہ یہ جج علماء کے زمرے میں سے نہیں ہوتے بلکہ عام جج ہوتے ہیں (جیسا کہ عراق میں ہے) یا پھر جج اور علماء دونوں اس عدالت میں بیٹھتے ہیں (جیسا کہ افغانستان میں ہے) روایتی بندوبست کے برخلاف ان ججوں کی اتھارٹی کی بنیاد پر شریعت نہیں ہوتی بلکہ وہ تحریری دستور سے حاصل ہوتی ہے جو انہیں نظر ثانی کا اختیار عطا کرتا ہے، شریعت کا جدید نمونہ سابقہ ضابطہ قانون کی یاد دلاتا ہے لیکن نتائج کو بروئے عمل لانے میں یہ ترقی پسند انداز کا حامل ہے، اسلام پسند عام طور پر اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ایسے ادارے خود بخود قانونی ضابطہ فراہم نہیں کر سکتے، انتظامیہ کو بھی قانونی اور دستوری فیصلوں کی اطاعت کا پابند ہونا چاہیے، اس سے صحیح معنوں میں عالمی طور پر حوصلہ افزائی ہوگی صرف شریعت سے وابستہ اقدار سے یا گرم جوشی کے جذبات رکھنے سے بھی کام نہیں چلے گا۔

یہ کیسے ہوگا۔ ایک بااختیار انتظامیہ جو اقتدار اور اختیارات کو خود پسندانہ انداز سے بروئے عمل لانے کی عادی ہے، اسے ضوابط قانون کے تحت لانے کے لئے کیسے راضی کیا جا سکتا ہے، یہ عالمی طور پر دستوری پیش رفت میں سب سے پر اسرار مکالمہ ہے حالیہ دہائیوں میں جو ہمہ گیر قسم کے انقلابات آئے ان کا ریکارڈ بہت زیادہ خراب رہا ہے کم از کم مسلم اکثریت کی ریاستوں میں صورت حال ایسی ہی رہی ہے، ایرانی انقلاب

جس نے شاہ کا تختہ پلٹ دیا اس کی جگہ ایک جابرانہ اوراعلیٰ سطح پر بھاری بھرکم دستوری ڈھانچہ نے لے لی، اسی طرح عراق میں جنھوں نے انقلاب کے خواب دیکھے تھے۔ایک سرگرم عمل اسلامی جمہوریہ جوسیکولر اور روشن خیالی کے اصولوں پر قائم ہو آج بھی اس خواب کی تعبیر سے بہت دور ہے، لہذا یہ عمومی تبدیلی کچھ ناموافق آراء کے باوجود تیزی سے بہتری کی طرف مائل نظر آتی ہے اور آج کے اکثر اسلام پسند سیاست داں جو مراکش، اردن، مصر یا پھر عراق میں منصب کے خواہاں وہ گریجویٹ ہیں ۔ یہ لوگ موجودہ سیاسی اداروں کو اسلامی اقدار سے آشنا کر کے اسلامی قوانین کا تھوڑا سا رنگ دے کر اپنے زیر اختیار لانا چاہتے ہیں۔ بلا شبہ یہ پارٹیاں عموماً امریکہ مخالف ہوتی ہیں کم از کم جہاں ہم نے ان کے مفاد کے خلاف کام کیا ہے (عراق اس کی ایک واضح مثال ہے، وہاں بہت سے شیعہ اسلام پسند ہمارے قریبی اتحادی ہیں) لیکن یہ ایک دوسرا سوال ہے کہ آیا وہ قانونی ضوابط کے نفاذ کے فروغ میں مؤثر طور پر معاون ہوسکتے ہیں۔ یہ خیال کرنا ممکن ہے کہ اسلام پسند پارٹیوں کی انتخابات میں کامیابی کے بعد یہ پارٹیاں انتظامیہ پر دباؤ ڈالیں کہ وہ احکامات قرآنی کے مطابق قانون پر مبنی حکومت کے قیام کے مطالبہ کو پورا کرے۔ اس سے عدلیہ میں ایک تبدیلی آسکتی ہے یعنی جج اپنے آپ کو ریاست کا ایجنٹ سمجھنے کے بجائے قانون کا نقیب سمجھنے لگیں گے۔

اسی قسم کی کوئی چیز ترکی میں بھی آہستہ آہستہ ابھر سکتی ہے وہاں کے اسلام پسند دنیائے اسلام کے سبھی ملک سے زیادہ لبرل ہیں وہ شریعت کو اختیار کرنے کی وکالت بھی نہیں کرتے (ایسی صورت میں وہاں کی انتہائی سیکولر فوج حکومت کا تختہ پلٹ دے گی) تاہم ان کی توجہ کا مرکزی نقطہ قانون کی حکمرانی اور ریاستی اختیارات کے تحت ترکی کی سیکولر روایات کے بجائے بنیادی حقوق کو وسعت دینا ہے۔ عدلیہ پر یہ دباؤ تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ وہ اسی نظریہ کے مطابق عمل کرے۔

کیا ایسے عدالتی کردار کے بارے میں شریعت ضروری وسائل فراہم کرسکتی ہے، درحقیقت شریعت ایسے قانون نافذ کرنا چاہتی ہے جن کا چھوٹے اور بڑے حاکم اور رعایا سب پر یکساں اطلاق ہو۔ کوئی اس سے بالاتر نہیں ہے اور ہر ایک ہمہ وقت اس کا پابند ہے۔ لیکن شریعت کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ قانونی ضابطے خلاء میں نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ اس کے لئے ریاست کو مؤثر اداروں کی ضرورت ہے جنہیں باضابطہ عمل کے ذریعہ تقویت پہنچائی جائے اور اس نظام کے جو اہل کار ہیں وہ اس بات کو تسلیم کریں کہ وہ اپنے فرائض کے تئیں وفادار رہ کر زیادہ منفعت حاصل کر سکتے ہیں بجائے اس کے وہ ان سے انحراف کریں۔

ضوابط قانون کے نفاذ کی کامیابی میں بہت سی مشکلات ہیں اس سے زیادہ مشکل کوئی اور کام نہیں ہے کہ ایسے نئے ادارے قائم کئے جائیں جو انتظامی غلبہ میں توازن پیدا کرسکیں، سوائے اسکے کہ اقتدار پر قابض ہونے کی طمع سے بچا جائے، ایران میں اسلام پسندوں نے اکثر عام لوگوں میں اپنا اعتماد کھودیا ہے اور اسی قسم کا عمل عراق میں بھی واقع ہوسکتا ہے تب بھی ان تمام خدشات وخطرات کے باوجود اسلام پسندوں کا یہ جذبہ کہ شریعت کے قدیم تصورات کی تجدید کی جائے اور عصری حالات و مسائل سے بھی سمجھوتہ کیا جائے جرأت مندانہ اور قابل قدر ہے اور اسی سے بیشتر مسلم ممالک میں انصاف اور جائز حکمرانی کے لئے راہ ہموار کرنے کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔

(نوٹ):

نوح فیلڈ مین ہارورڈ یونیورسیٹی میں قانون کے پروفیسر ہیں وہ جرائد میں مقالات بھی لکھتے ہیں اور کونسل برائے خارجی تعلقات کے سینئر ملحق فیلو بھی ہیں یہ مقالہ ان کی کتاب ''اسلامی ریاست کا زوال اور عروج'' سے ماخوذ ہے جو اس ماہ کے آخر میں شائع ہوگی۔

اسلامی نظام حیات

شاہ قادری سید مصطفیٰ رفاعی جیلانی ندوی
رکن اساسی، بورڈ بنگلور

انسان نہ اتنا عالی مرتبت اور خود مختار ہے جتنا وہ بزعم خود اپنے آپ کو سمجھتا ہے اور نہ وہ اتنا ذلیل و پست اور بے بس و مجبور ہے جتنا اس نے اپنے آپ کو بنالیا ہے۔ اسلام نے ان دونوں انتہائی نظریات کو باطل قرار دے کر، انسان کے سامنے اس کی اصل حقیقت کو پیش کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ '' واللہ أخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئا و جعل لکم السمع و الأبصار والأفئدة لعلکم تشکرون'' (اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا، اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھ اور دل دئے تاکہ تم شکرگذار بنو)۔ ''تقر فی الأرحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلاً ثم لتبلغوا أشدکم و منکم من یتوفیٰ و منکم من یرد الی أرذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیاء'' (ہم جس مدت تک چاہتے ہیں تمہیں رحم مادر میں ٹہراتے ہیں پھر تمہیں طفولیت کا دور بخشتے ہیں، پھر بھر پور جوانی تک پہونچاتے ہیں اور تم میں چند مر جاتے ہیں اور چند بڑھاپے کی سرحد تک جیتے ہیں جس میں وہ جانتے ہوئے بھی نادانی کرتے ہیں) ''لقد کرمنا بنی آدم و حملنا ھم فی البر والبحر و رزقناھم من الطیبات و فضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا'' (ہم نے بنی آدم کو معزز کیا ہے اور اس کو بحر و بر پر سوار کرایا ہے اور پاکیزہ چیزیں بطور رزق دیا ہے اور دیگر مخلوقات پر اس کو فضیلت بخشی ہے)۔

اسلام نے اپنے فلسفہ حیات کے ذریعہ ہر انسان کو بلند و بالا مقام دیا ہے اور بتایا ہے کہ ''ان الدنیا خلقت لکم و انکم خلقتم للآخرة'' (دنیا تمہارے لئے ہے اور تم آخرت کے لئے ہو)۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ تو آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

انسان کو خدا کا حکم ہوتا ہے کہ ''یا ایہا الناس کلوا مما فی الأرض حلالا طیبا'' (اے انسانو! حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ) اور تاکید کرتا ہے کہ ''لا تحرموا ما أحل اللہ لکم'' (حلال چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ)۔

اسلام نے پوری وضاحت کے ساتھ بتایا کہ یہ دنیا انسان کے لئے بنائی گئی ہے، اسکو چاہئے کہ دنیا کو برتے اور اس سے خوب متمتع ہو۔ ہاں برے بھلے اور پاک و ناپاک کے فرق کو ملحوظ رکھے۔ اس نے بتایا کہ برائی و ناپاکی گناہ ہے اور بھلائی و پاکی نیکی ہے۔ مولانا عبدالسلام ندویؒ گناہ کی تعریف لکھتے ہیں کہ ''گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم کو یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اس سے واقف ہوں'' (تاریخ اخلاق اسلامی ص ۲۴۱) اسلام، انسان کو میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔ قاضی مظہر الدین بلگرامیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنی تعلیمات کے بڑے مقصد یعنی انسانوں کی سماجی زندگی کے سدھار کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت جگہ عام انسانوں کو خطاب کیا ہے اور معمولی باتوں میں بھی اعتدال ملحوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ کھانا پینا انسانی زندگی کے لئے کس قدر

ضروری ہے، لیکن اس میں اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو انسانی تباہی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسلام نے کھانے پینے کا جامع نظام بتادیا وہ یہ کہ ''کلوا واشربوا و لا تسرفوا، انہ لا یحب المسرفین'' (کھاؤ اور پیو، اسراف مت کرو، بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی آسمانی کتاب کا ایک بڑا حصہ ان فضائل و آداب پر مشتمل ہے جن پر عمل کر کے ایک انسان صحیح معنی میں انسان بن سکتا ہے (رفاعی کشکول ص: ۹۳)۔

اسلامی نقطہ نظر سے زندگی کا ایک رخ تو وہ تھا جو پیش کیا گیا، اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی سے متاثر ہو کر انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اسکو یہیں دائمی رہنا ہے۔ اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مال و دولت اور شان و شوکت سب ناپائیدار ہیں۔ اگر اس عالم فانی میں کوئی چیز باقی رہنے والی ہے تو وہ صرف نیکی ہے۔

اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب

''کل نفس ذائقة الموت'' (ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا) ''ثم الینا ترجعون'' (پھر تم سب ہماری طرف لوٹ کر رہوگے)۔ أن لیس للانسان الا ما سعی و ان سعیه سوف یری ثم یجزاه الجزاء الأفی و ان الی ربک المنتہی'' (انسان کو اپنی کوشش بھر ملے گا اور اس کی کوشش ضرور دیکھی جائے گی پھر اس کو بھر پور بدلہ دیا جائے گا اور بے شک تمہارا پروردگار ہی آخری منزل ہے)۔

''اس عرصۂ حیات میں انسان کو یہ سمجھ کر سعی کرنی چاہئے کہ میرا ہر کام ، میری ہر حرکت اپنا ایک نتیجہ رکھتی ہے'' آنے والی زندگی میں اچھا یا برا جو کچھ ملے گا وہ میری یہاں کی کوشش اور میرے یہاں کے عمل کا بدلہ ہوگا (ملاحظہ ہو علم جدید کا چیلنج ص: ۱۳۳)۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں کہ ''موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصل اور دائمی بنیاد، اسی آئندہ دنیا کے گھر کی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر یہ بنیاد متزلزل ہوجائے تو اعمال انسانی کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے'' (سیرت النبیؐ جلد۴)۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں کہ ''اسلامی تصور حیات جسکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی طور پر لے آئے، انہوں نے اس کے ذریعہ سے انسانوں کو دنیا و آخرت کی فلاح کا پیغام دیا، خالق سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا'' توحید خالص کا سبق پڑھایا، حساب کتاب کی اخروی زندگی کا منتظر بنایا، نیکی اور بدی کے معین حدود بتائے اور اخلاق و معاشرت اور حقوق باہمی کے وہ بے خطا اصول و ضوابط عطا کئے، جن پر ہر دور میں حیات انسانی کی تنظیم ہوسکتی ہے۔ جن پر عمل کرنے سے خود بخود ایک زندگی پیدا ہوتی ہے جو افراط و تفریط اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہے، ایک معاشرہ قائم ہوتا ہے جو امن و سکون، اطمینان قلب، اشتراک و تعاون اور اعتدال و توازن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے'' (بحوالہ الفرقان نومبر ۱۹۴۹ء)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔ اس نے معاشرے کو ''اسلامی نظام حیات'' کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ''اصلاح معاشرہ تحریک'' کو منظم کیا جو ما شاء اللہ ملک کے طول و عرض میں متحرک ہے۔ اس مضمون میں جو باتیں قارئین کے علم میں لائی گئی ہیں اس تحریک نے مختلف زبانوں (اردو، ہندی، انگریزی، بنگالی، کنڑ وغیرہ ریاستی زبانوں) میں پمفلٹوں کے ذریعہ اور جلسوں، سمیناروں، تربیتی کیمپس کے ذریعہ یعنی تحریر و تقریر دونوں طریقوں سے مثبت انداز میں مؤثر اسلوب میں خواص و عوام میں ان باتوں کو پیش کیا ہے اور معاشرے کی قابل لحاظ آبادی کو اس سے خاطر خواہ فائدہ پہنچا ہے۔ بلا واسطہ اس مؤقر بورڈ سے اور اس کی اپیل پر دوسری تنظیموں و انجمنوں کی طرف سے اس سلسلہ میں جد و جہد اور اس میں خوب خوب اضافہ کی ضرورت ہے۔

رحمۃ للعالمین! نذیر مبین

مولانا اخلاق حسین قاسمی
رکن بورڈ، دہلی

خدا تعالی نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ذاتی مزاج اور فطری طبیعت کے لحاظ سے رحمۃ للعالمین، رؤف رحیم اور بشیر بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت، رافت اور بشارت حضور علیہ السلام کا فطری مزاج ہے۔

سورۂ ''نون'' میں قرآن کریم نے آپ کے اسی فطری مزاج کا اظہار کیا ہے۔ فرمایا'' وانک لعلی خلق عظیم'' شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ نے اس جملہ میں جو دو تاکیدی حروف داخل ہیں، ایک '' ان '' دوسرا '' لعلی '' کے اوپر لام تاکید، ان حروف تاکید کی رعایت سے اس فقرہ کا ترجمہ یہ کیا ہے '' اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر''۔

دوسرے مترجم حضرات نے بے شک اور بلاشبہ کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی فطری مزاج کا اظہار حسب ذیل آیات میں کیا گیا ہے:'' وما ارسلناك الا رحمة للعالمين '' (سورہ انبیاء، مکی ۱۰۷)

اور ہم نے اے رسول تم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

''لقد جاء كم رسول من أنفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين رؤف رحيم'' (سورہ توبہ، مدنی ۱۲۸)

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فطری مزاج اور ذاتی خلق عظیم کی بات ہے۔ لیکن حضورؐ بندگان خدا کی ہدایت کے لئے ہادی بنائے گئے اور اس منصبی فرض کے لحاظ سے آپ نے بار بار یہ اعلان کیا:'' انی لکم نذیر مبین '' (ذاریات، مکی ۵۰)

بے شک میں اے لوگوں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

سورہ مدثر کی پہلی وحی میں تبلیغ ودعوت کے لئے جو حکم آیا ہے وہ یہ ہے:

''یا ایھا المدثر قم فانذر'' (سورہ مدثر، مکی ۱) اے چادر پوش! کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ڈراؤ۔

انذر (ڈراؤ) میں دعوت بالانذار کا حکم دیا گیا ہے۔

پہلا لقب: 'نذیر المبین' (بے لاگ ڈرانے والا)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا لقب سورہ مدثر میں بیان کیا گیا ہے اور یہ سورۃ سورۂ اقراء (پہلی وحی) کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اس سورہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدثر (اے چادر پوش) کہہ کر پکارا گیا ہے اور پھر آپ کو (قم) کھڑے ہو جاؤ، تیار ہو جاؤ، کمر بستہ ہو جاؤ کہہ کر پہلا حکم دیا 'فانذر'' لوگوں کو برائیوں سے اور برائیوں کے انجام سے ڈراؤ۔

اسی حکم الٰہی کے مطابق رسول پاکؐ کا پہلا لقب، پہلی ذمہ داری شرک اور دوسری برائیوں میں گرفتار لوگوں کو ڈرانا، ڈرا کر ہوشیار کرنا ہے۔

سورہ مدثر کے بعد سورہ مزمل نازل ہوئی اور اس کے بعد یہ حکم آیا:

'' وانذر عشیرتک الاقربین واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین '' جو اتباع کریں انہیں اپنے سینے سے لگاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں صفا پہاڑی پر چڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قدیم روایتی انداز سے اپنے خاندان کو ڈرایا۔

تبلیغ کا دوسرا حکم

خاندان کی دعوت کے بعد قرآن نے اہل مکہ اور اس کے قرب وجوار کے باشندوں کو دعوت توحید کا حکم دیا" قل الله شهيد بيني و بينكم و اوحى الى هذا القرآن لتنذركم به و من بلغ" (سورۃ انعام/۱۹)

تبلیغ کا عالم گیر دائرہ تیسرا حکم ہے

"و هذا كتاب انزلناه مبارك و مصدق الذى بين يديه و لتنذر ام القرىٰ و من حولها" (سورہ انعام/۹۳)

اور یہ کتاب ہم نے نازل کی بڑی بابرکت ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، تاکہ آپ مکہ کی بڑی بستی اور اس کے آس پاس رہنے والوں کو ڈرائیں۔ تبلیغ کے اس تینوں دائروں کے لئے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب دعوت بالانذار بیان کیا ہے۔

یعنی رزائل اور فضائل کو ساتھ ساتھ رکھ کر لوگوں کو دین کی طرف بلاؤ۔ صرف فضائل اور بشارت کافی نہیں۔

انا النذير العريان

قریش کے اندر یہ رواج قدیم تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو کمزور قبیلہ کا کوئی آدمی ننگا ہو کر پہاڑی پر چڑھ جاتا اور یہ اعلان کرتا کہ فلاں قبیلہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے ہماری مدد کرو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رواج کے مطابق صفاء پہاڑی پر چڑھ کر اعلان کیا "انا النذير العريان" آپ نے ننگا ہونے کی نقل نہیں اتاری۔

قریش کے آدمی صفاء کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھا، اے محمد! کیا خطرہ پیش آ رہا ہے؟

آپ نے فرمایا! اس پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑا خطرہ منڈلا رہا ہے اور وہ خطرہ قیامت کے دن کا ہے۔ روز جزا وسزا کا ہے، میں تمہیں اس سے آگاہ کرتا ہوں اور توحید کی دعوت دیتا ہوں۔

ابولہب اس اجتماع میں موجود تھا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا: "الهذا دعوتنا اى محمدتب هلك" اے محمد! تو ہلاک ہو، کیا تو نے اسی بات کے لئے ہمیں جمع کیا تھا؟

اس کے جواب میں ابولہب کی مذمت میں سورہ لہب نازل ہوئی۔ مفسرین نے ماضی کے صیغہ کو بدعاء کے مفہوم میں لیا ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ ہلاک ہو ابولہب، پھر ہلاک ہو، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی (اولاد)۔

قرآن کریم نے ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت بالانذار کی ہدایت کی اور اس کے بعد انذار اور بشارت کو جمع کر دیا۔ تفصیل یہ ہے:

انذار اور بشارت دونوں کو جمع کر دیا۔

حسب ذیل آیات پر غور کرو:

"و مارسلناك بالحق بشيراً و نذيراً" (سورہ فاطر)

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حق کے ساتھ۔ بشارت دینے والا، ڈرانے والا۔

"و مارسلناك الا مبشراو نذيرا "(سورہ فرقان/۵۶)

"انا ارسلناك بالحق بشيراً و نذيراً" (سورہ بقرہ/۱۱۹)

ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا۔

صرف انذار کی اہمیت بیان کی

" و ان من امة الا خلا فيها نذير" (سورہ فاطر/۲۴)

کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

"قل انما انا منذر و ما من اله الا الله الواحد القهار" (سورہ ص/۶۷)

اعلان کروائے رسول میں تمہیں ڈرانے والا ہوں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زبردست قوت والا ہے۔

۞ ۞ ۞ ۞

اجتماعی نظم زکوٰۃ

دین میں اس کی اہمیت اور وقت کی ضرورت

ایچ عبدالرقیب
رکن بورڈ، چنئی

جسٹس سچر کمیٹی رپورٹ نے نشان دہی کی ہے: ویسے تو ملک کے مختلف صوبوں میں مسلمانوں کی معاشی و تعلیمی وسماجی حالت میں یکسانیت نہیں ہے لیکن تمام ہی علاقوں میں پسماندگی اور پچھڑاپن ترقی کے تمام پہلوؤں میں نمایاں ہے:

" Where there is considerable variation in the conditions of Muslims across states, the community exhibits deficits and deprivation in practially all dimensions of development." (Chap 12 Page 237)

مثال کے طور پر اس میں کہا گیا ہے کہ ۲۰۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی تعلیمی حالت قومی وملکی سطح کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ۲۵ رفی صد مسلم بچے جن کی عمر ۶-۱۴ سال ہے اسکول میں داخل نہیں ہوئے یا داخلے کے بعد اسکول چھوڑ گئے۔ (ص:۵۲) صحت کے تعلق سے رپورٹ نے تشویش ظاہر کی ہے کہ غربت اور بنیادی خدمات کی غیر موجودگی مثلا صاف ستھرے پینے کے پانی اور انتظام حفظان صحت Sanitation کی نمایاں کمی کی وجہ سے صحت بہت خراب ہے، خاص طور پر مسلم خواتین کی۔ (ص:۲۲)

قومی کمیشن برائے کاراندازی، ترقی غیر منظم سیکٹر National Commission for Enterprises in the Unorganised Sector کی حالیہ رپورٹ جو ۹ راگست ۲۰۰۷ء کو ملک کے ممتاز دانشور اور معاشی ماہر ڈاکٹر ارجن سین گپتا نے پیش کی ہے، بڑی اہم ہے۔ اس میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ملک کی معاشی ترقی کی تیز رفتاری اور ملک میں ایک لاکھ سے زیادہ کروڑپتیوں Millionaires کی موجودگی کے باوجود آبادی کا ۷۷ فی صد ایسے افراد پر مشتمل ہے جن کی روزانہ کی آمدنی بیس روپئے سے کم ہے۔ تشویشناک پہلو یہ ہے کہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ۸۴ فی صد مسلمان غریب اور مسائل حیات میں مبتلا ہیں۔

ایشین ایج Asian Age اور دکن کرونیکل (۱۸ ستمبر ۲۰۰۷ء) میں سوسن جیت گوہا کا مضمون، گھر پر شاہدہ کام پر شیامولی (Shahida at home, Shyamoli at work) نے کلکتہ کی بے شماران عورتوں اور مسلم خواتین کی کس مپرسی، بے چارگی اور لاچاری کا نقشہ کھینچا ہے جو ہندوؤں کے گھروں میں ملازمہ کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ ملازمت کرنے کے لئے وہ اپنے مسلم ہونے کی شناخت یہاں تک کہ نام بدلنے اور اپنے حلیے کی تبدیلی پر بھی مجبور ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی اکثریت کی صورتحال بڑی تشویشناک ہے۔ غریب مسکین مسلمان اور مڈل کلاس کی نچلی سطح (Lower Middle Class) کے خاندان غربت اور پسماندگی کے شکار ہیں، خاص طور پر خواتین اور نوجوان لڑکیوں کی حالت زار پر توجہ کی فوری ضرورت ہے۔ قرآن حکیم کی اہم ترین اصولی آیت جس میں بنیادی معاشی پالیسی بیان کی گئی ہے کہ دولت صرف مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہی

کہ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (قرآن ۷:۵۹) (یعنی تا کہ دولت تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتی رہے) آج ہم دیکھتے ہیں کہ خوشحالی کے چند جزیرے (Lands of Prosperity) ہیں تو دوسری طرف غربت کے سمندر (Oceans of Poverty) ہمارے سماج میں موجود ہیں۔ بقول ڈاکٹر امرتیہ سین اس کا علاج معاش کی مناسب تقسیم (Distributive Economics) ہی ہے کہ اوپر کی سطح ارتکاز سے نیچے تک دولت پھیلے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ کے تناظر میں معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا: توخذ من اغنیائھم فترد فی فقراء ھم۔'' ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاجوں میں لوٹائی جائے۔'' اگر ایسا نہیں کیا گیا تو نبی کریم ﷺ کی وارننگ ہمارے سامنے ہے۔ فرمایا: کاد الفقر یکون کفرا (فقر وفاقہ عنقریب کفر تک پہونچادے گا۔) اس لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا فرمائی تھی:

اللھم انی اعوذ بک من الفقر و القلۃ والذلۃ۔

''اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں فقر، رزق میں کمی اور ذلت سے۔''

اس پس منظر میں ملت اسلامیہ ہند کے باشعور مرد اور خواتین کو مسلمانوں کی معاشی پسماندگی کو دور کرنے اور ترقی کی اس دوڑ میں حصہ لینے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ اپنے خالق کے سامنے بھی جوابدہ ہوں گے اور مخلوق خدا کے آگے بھی۔ کیا زکوٰۃ کا اجتماعی نظم اس کی طرف ایک مفید و مؤثر پیش قدمی ہوسکتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں دور نبویؐ، دورِ خلفائے راشدین اور سلف صالحین کے دور میں زکوٰۃ کیسے روبعمل تھا۔ اس کے اثرات مسلم سوسائٹی میں کیا ہوئے اور کیا اس اجتماعی نظم زکوٰۃ سے غربت کا ازالہ اور پسماندگی کو دور کرنے میں ہماری رہنمائی ہوتی ہے؟

قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا ذکر ۳۲ مرتبہ آیا ہے۔ مکی سورتوں میں گیارہ اور مدنی سورتوں میں ۲۱ مرتبہ۔ نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ کی وصولی کیلئے باقاعدہ ایک نظم قائم کیا جس کے چار اہم شعبے تھے:

(۱) عمال الصدقات یا عاملین صدقات: زکوٰۃ وصول کرنے والے افسران۔

(۲) کاتبین صدقات: حساب و کتاب کے انچارج

(۳) خارصین: باغات میں پھلوں کی پیداوار کا تخمینہ لگانے والے۔

(۴) عمال علی الحمی: مویشیوں کی چراگاہ سے محصول وصول کرنے والے۔

عاملین صدقات:

عاملین صدقات کے لئے آپ نے بڑے بڑے صحابہ جن میں امانت و دیانت، احساس ذمہ داری اور اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں ہوتی تھیں، ان کا انتخاب فرمایا اور انہیں مختلف قبیلوں کی طرف بھیجا، مثلاً: حضرت عمرؓ کو مدینہ کے اطراف، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بنوکلب، عمرو بن عاصؓ کو قبیلہ فزارہ، حضرت عدی بن حاتمؓ کو قبیلہ طے اور اسد، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو مزینہ اور کنانہ قبیلے کی طرف۔ یہ عاملین ان قبیلوں کے مزاج و نفسیات سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور ان کی مدد کے لئے مقامی عاملین بھی متعین تھے۔ ان عاملین صدقات کو ایک پروانہ تقرری بھی ملتا تھا اور وصول کرنے کے لئے ہدایات (Code of Conduct) بھی، مثلاً: زکوٰۃ میں عمدہ مال نہ حاصل کریں، زکوٰۃ دینے والوں کے مقام پر جا کر وصول کریں اور وصولیابی کے بعد ان کے لئے دعائے خیر کریں۔ مذکورہ قبیلے کو بھی ہدایت کی جاتی تھی کہ وصول کنندہ جب ان کے پاس آئے تو خوشی سے واپس جائے۔

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ خود ان کا محاسبہ کرتے اور ان کی تنخواہ یا مشاہرہ مقرر فرماتے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الزکوٰۃ میں ایک باب 'والعاملین علیھا' میں 'محاسبۃ المصدقین مع الامام' کا ذکر کیا ہے۔

کاتبین صدقات:

مالی نظام کا باقاعدہ حساب کا شعبہ دور نبویؐ میں موجود تھا، حضرت زبیر بن عوامؓ اسلامی ریاست کے صدقات کے کاتب تھے اور وہی سارا حساب کتاب رکھا کرتے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں حضرات جہیم بن صلتؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ صدقات کی آمدنی کے ذمہ دار تھے۔

خارصین:

عہد نبویؐ میں ایک عہدہ 'خارصین' یعنی افسران برائے تخمینہ ٔ پیداوار کا تھا، جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر کھجور وغیرہ کے باغوں کی پیداوار کی مقدار کا اندازہ لگاتے کہ باغ کی کل پیداوار کتنے وسق ہوگی اور اس میں زکوٰۃ کی واجب مقدار کتنی ہوگی۔ خود نبی کریم ﷺ بھی ایک ماہر خراص تھے۔ غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ نے ایک مسلمان خاتون کے باغ کی پیداوار کا تخمینہ لگایا تھا کہ اس کی پیداوار دس وسق ہوگی اور آپ کا یہ تخمینہ بالکل درست ثابت ہوا تھا (بخاری) صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ماہر خراص شمار کئے جاتے تھے، نبی کریم ﷺ انہیں ہر سال خیبر کی پیداوار کا اندازہ اور تخمینہ لگانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔

عاملین علی الحمی:

دور نبویؐ میں مختلف قبیلوں سے مویشیوں کی زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عاملین مقرر تھے، مثلاً حضرت ذر بن ابی ذرؓ قبیلہ غفار کے لئے، حضرت ابو رافعؓ ذوالجدر کے لئے، سعد بن ابی وقاصؓ قریش اور زہرہ کے لئے، بلالؓ بن حارث مزینہ قبیلے کے لئے۔

نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں چند قبیلوں نے زکوٰۃ کو مدینہ کے مرکزی بیت المال میں بھیجنے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مال زکوٰۃ میں سے ایک اونٹ باندھنے کی رسی یا بکری کا بچہ بھی روک لیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ خدا کی قسم! میں ہر اس شخص سے جہاد کروں گا جس نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا۔'' علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

''حضرت ابوبکرؓ کا مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنا، غالباً اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی حکومت وریاست معاشرے کے کمزور افراد اور فقراء و مساکین کے حقوق انہیں دلانے کے لئے آمادہ جنگ ہوئی جب کہ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا کہ سماج کے طاقتور طبقے کمزور طبقوں کو کھاتے رہے اور حکام وامراء نے کبھی غلاموں اور بے کسوں کی پشت پناہی نہیں کی بلکہ اکثر وبیشتر حکومت وقت نے دولت مند طبقے کی حمایت کی ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ ص: ۱۱۵)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں زکوٰۃ کی صورتحال کیا تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے یمن سے جب زکوٰۃ کا ایک تہائی حصہ بھیجا تو حضرت عمرؓ نے لینے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: میں نے آپ کو ٹیکس یا جزیہ وصول کرنے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں کے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کرکے انہیں کے فقراء میں تقسیم کردو۔ حضرت معاذؓ نے کہا: یہاں زکوٰۃ لینے والے کسی شخص کو محروم کرکے میں نے آپ کے پاس یہ مال نہیں بھیجا ہے۔ پھر دوسرے سال حضرت معاذؓ نے نصف زکوٰۃ بھیج دی۔ اس موقع پر بھی دونوں طرف سے اسی طرح کی گفتگو ہوئی۔ پھر تیسرے سال حضرت معاذؓ نے زکوٰۃ کا کل بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر بھی یہی بات کہی جو اس سے پہلے کہہ چکے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت معاذؓ نے کہا: ''یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا ہی نہیں ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں مصر کے گورنر نے انہیں لکھا کہ صدقہ وزکوٰۃ کی رقم لینے والا وہاں کوئی نہیں ہے اب اس رقم کو وہ کیا کریں؟ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا: غلاموں کو خرید کر آزاد کرو، شاہراہوں پر مسافروں کے لئے آرام گاہیں تعمیر کرواور ان نوجوان مرد اور عورتوں کی مالی امداد کرو جن کا نکاح نہیں ہوا۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ خلیفہ نے ایک شخص کا خصوصی طور پر تقرر کیا تھا، جو شہر کی گلیوں میں ہر روز یہ اعلان کرتا تھا: کہاں ہیں وہ لوگ جو مقروض ہیں اور قرض ادا نہیں کرسکتے، کہاں ہیں وہ لوگ جو نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ کہاں ہیں محتاج وحاجت منداور کہاں ہیں یتیم اور بے سہارا؟ یہ معاملہ چلتا رہا کہ سوسائٹی میں تمام لوگ مالدار ہوگئے اور غربت و افلاس کا کوئی نام ونشان نہیں رہا۔ (ابو عبید۔ کتاب الاموال)

خلفائے راشدین کے بعد اموی دور میں نظام خلافت بدل گیا اور حکام ظلم وتشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ زکوٰۃ کیسے دی جائے اور انہیں زکوٰۃ کا امین کیسے قرار دیا جائے، لیکن تمام

صحابہ کرامؓ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہیے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے طور پر خرچ کر ڈالو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا: اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا: وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: وہ زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا: اگر چہ ایسا کرتے ہوں، مگر دو انہی کو کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا، لیکن ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ملکوں میں امنڈ آیا اور نظام خلافت معدوم ہو گیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ فقہاء حنفیہ کے فتاویٰ اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے۔ اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جا سکتی مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور حالت کا اعادہ فوراً ممکن نہیں، وہاں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہو جائے۔ جیسے جیسے زمانہ گذرتا چلا گیا مسلمانوں میں یہ غلط فہمی یقین کی صورت اختیار کرتی گئی کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے، وہاں زکوٰۃ کا اجتماعی نظام اور بیت المال کا قیام ناممکن ہے۔

کیا بیت المال قائم کرنے کے لئے اسلامی یا مسلم حکومت کا ہونا ضروری ہے؟ اس پر سنجیدگی کے ساتھ علمائے کرام اور دانشوروں کو از سر نو سوچنے کی ضرورت ہے۔ مولانا آزادؒ اور دوسرے علماء کا موقف یہ ہے کہ اگر واقعی ضروری ہی ہے تو جمعہ کی نماز بھی ہندوستان میں نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس کا اہتمام بھی امیر المسلمین کی جانب سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قدوریؒ فقہ حنفی کے مشہور فقیہ نے اپنی معروف کتاب 'مختصر القدوری' کے باب الجمعہ کے تحت فرمایا ہے: صحت جمعہ کے لئے دوسری شرط سلطان یا اس کا نائب ہونا ہے۔ کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جماعت میں ہر شخص اپنی رائے کا مجاز ہوتا ہے، اسی لئے بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں مثلاً: ایک کہے گا میں قائم کروں گا، دوسرا کہے گا میں قائم کروں گا۔ ایک کہے گا جمعہ ہماری مسجد میں ہوگا، دوسرا کہے گا ہماری مسجد میں ہوگا۔ ایک فریق ایک وقت متعین کرے گا۔ دوسرا اس کے خلاف رائے دے گا اس لئے شاہ وقت یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس قسم کے اختلافات سے امن ہو سکے۔

جمعہ کی مذکورہ شرط کی روشنی میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ جب ہندوستان جیسے ملک میں نائب (خلیفہ) کی غیر موجودگی میں عیدین اور نماز جمعہ قائم کی جا سکتی ہے تو زکوٰۃ کی رقم بیت المال میں جمع کر کے اسی کے ذریعے تقسیم کیوں نہیں کی جا سکتی؟ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام وسلطان کی موجودگی پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے۔ دشمن کے حملے اور بیت المال پر قبضے کا خطرہ بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ فرماتے ہیں: مسلم بستیاں جس طرح اپنی نمازوں کے لئے مسجد کا، جماعت کا اور امامت کا انتظام کرتی ہیں، اسی طرح اپنی زکوٰتوں کے لئے بیت المال قائم کریں اور بستی بھر میں زکوٰتیں اکٹھی کر کے انہیں مستحقوں تک پہنچانے کا انتظام کریں تاکہ اسلام کے اس اہم رکن کا جو منشا ہے وہ نظم حکومت کی عدم موجودگی میں بھی اس قدر ضرور حاصل ہوتا رہے جس قدر حاصل کیا جا سکتا ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ ایک اجتماعی غلط کاری ہوگی۔ (اسلام ایک نظر میں، ص:۹۲)

مسلم ممالک کئی صدیوں تک مغرب کے استعمار کی غلامی میں رہے اور اب الحمد للہ چند دہوں سے اس کے چنگل سے آزاد ہوئے ہیں اسلام پسند قوتوں، تحریکوں اور باشعور علماء و دانشوروں کی بدولت اسلام کی بنیادوں کی طرف واپس آنے کا شعور پیدا ہوا ہے اور اس کے لئے کوششیں بھی جاری ہیں۔ اس سلسلے میں زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے قیام میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ خاص طور پر سعودی عرب، کویت، پاکستان، ملائشیا وغیرہ میں۔ ہم یہاں بطور مثال ونمونہ ملیشیا اور جنوبی افریقہ میں جو کام ہوئے ہیں اس کا مختصراً جائزہ لیں گے تاکہ اس سے ہمیں اپنے ملک عزیز میں کام کرنے میں رہنمائی ملے۔

ملیشیا ایک ملی جلی آبادی کا ملک ہے جس میں مسلمان، ہندو، بدھ

مت کے ماننے والے چینی نژاد شامل ہیں لیکن اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ زکوٰۃ کا انتظام وہاں کی صوبائی مذہبی کونسل کے تحت بیت الاموال زکوٰۃ ڈپارٹمنٹ، زکوٰۃ کمیٹی کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کی رقمیں ایک کارپوریشن وصول کرتی ہے اور بیت المال کے ذریعہ زکوٰۃ کی تمام معروف آٹھوں مدوں۔ فقیر، مسکین، انتظامیہ، نومسلموں، بندھوا مزدوروں (رقاب) مقروضوں، فی سبیل اللہ اور مسافروں۔ میں خرچ کی جاتی ہیں۔ البتہ تقسیم زکوٰۃ میں زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانے والوں کو دوحصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جسے وہ پیداواری (Productive) اور غیر پیداواری (Non-Productive) کا نام دیتے ہیں۔

غیر پیداواری میں بڑی عمر کے بوڑھے، اپاہج، ومعذور، دائم المریض وغیرہ ہوتے ہیں، جن کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اور ان کی معاشی حالت خراب ہوتی ہے، ان کی مستقل اور مسلسل مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو ملنے والی زکوٰۃ کی مقدار ۲۰-۲۵ فی صد ہوتی ہے۔ مجموعی فائدہ اٹھانے والوں میں پیداواری گروپ میں ایسے افراد ہوتے ہیں جن میں سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اپنا کاروبار نہیں کرسکتے، بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو ہنر سکھایا جائے اور اس کے لئے مدد کی جائے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکتے ہیں۔ کچھ ایسے طبقے بھی ہوتے ہیں جنہیں مشین یا آلہ واوزار فراہم کئے جائیں تو خودکفیل ہوسکتے ہیں۔ جسے بحالیات (Rehabilitate) کا نام دیا جاتا ہے۔ ان کی مدد مسلسل اور مستقل نہیں کی جاتی بلکہ ہر چیز درخواستوں کو جانچ کے بعد زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاتی ہے۔ اس سے یہ طبقہ بہت جلد خود کفیل ہوکر خود زکوٰۃ دینے کے قابل ہوجاتا ہے۔

جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس لاکھ ہے جو ملک کی آبادی کا ۲ فیصد ہے۔ مسلمان ملک کے چند بڑے شہروں ہی میں زیادہ آباد ہیں مثلاً: ڈربن، کیپ ٹاؤن اور جوہانسبرگ۔ مغربی استعمار کے ایک طویل دورِ غلامی کے بعد ۱۹۹۴ء میں یہ ملک آزاد ہوا۔ مسلمان بھی چونکہ Non-White میں شمار ہوتے تھے اس لئے وہ بھی نسلی نفرت کا شکار رہے۔ اندازہ ہے کہ ۲۰ فیصد مسلمان غربت کا شکار ہیں۔ چونکہ یہ ملک غیر مسلم آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہے، اس لئے حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کے اجتماعی نظم کے لئے حکومت کی سطح پر کوئی ادارہ یا بیت المال قائم نہیں ہے۔ البتہ یہاں کے مسلمانوں نے Non-Profit Organisation Act 1997 کے تحت NPO ادارے قائم کئے ہیں، جن کے ذریعے مختلف فلاح و بہبود کے کام کئے جاسکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے جمع وتقسیم کے لئے بھی اسی ایکٹ کے تحت ادارے قائم ہیں۔

جنوبی افریقہ میں بھی ملیشیا کی طرح زکوٰۃ کی رقمیں مستقل طور پر غریبوں اور معذوروں کو دینے کے علاوہ اہمیت اس گروپ کو دی جاتی ہے، جو زکوٰۃ کی رقم کو کمانے کی قابلیت پیدا کرنے، سرمایہ فراہم کرکے تجارت و صنعت میں لگانے اور دولت کے پیدا کرنے میں استعمال کرسکتے ہیں۔

زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کے لئے باقاعدہ بیداری کی مہم چلائی جاتی ہے۔ اس کے لئے اشتہارات، ٹی پارٹیز اور اجلاس خصوصی کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ یہ فلاحی ادارے کئی سماجی خدمات مثلاً: بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز، منشیات سے دور کرانے کے مراکز، اور ازدواجی تعلقات میں خوشگواری کیلئے کونسلنگ سنٹرس بھی چلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خصوصی طور پر پینے کے پانی کے پروجیکٹ، دعوت اور صحت وصفائی وحفظانِ صحت پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔

خوش آئند پہلو:

بیسوی صدی کے آخری پچاس برسوں میں دنیا میں حیرت انگیز معاشی ترقی وخوشحالی آئی ہے۔ لیکن اس کا تاریک پہلو یہ ہے کہ دنیا کی آبادی کا ۲۰ فیصد صرف ایک ڈالر روزانہ کی آمدنی رکھتا ہے اور ۴۰ فیصد کی آمدنی دو ڈالر ہے۔ اس صورتحال کو بدلنے کے لئے ۲۰۰۰ء میں اقوام متحدہ کے تحت دنیا بھر کے حکمرانوں نے مل کر ایک اعلانیہ Millennium Development Declaration جاری کیا اور کئی اہداف Millennium Development Goals کے نام سے طے کئے جنھیں ۲۰۱۵ء تک حاصل کرنا ہے۔ اس میں اولین ہدف انتہائی غربت

اور بھوک کا خاتمہ ہے۔ معاشی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ موجودہ معاشی نظام جو مارکیٹ اکانمی پر مشتمل ہے وہ صرف پیداوار کی بڑھوتری Growth اور نفع کو اپنے سامنے رکھتا ہے، اس لئے ترقی کے لئے ایسی پالیسیاں بنانی پڑیں گی اور اہداف کو ایسا تبدیل کرنا پڑے گا، جس کی وجہ سے انسانوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں اور ترقی میں عدل وقسط اور منصفانہ تقسیم کا پہلو ہو جسے وہ بنیادی ضروریات کی تکمیل (Basic Need Approach) اور مساویانہ ترقی (Growth with Equity) کا نام دیتے ہیں۔ یہ احساس بھی نمایاں ہے کہ صرف حکومت اور مارکیٹ یہ کام پورا نہیں کرسکتے، اس کے لئے ایک (Third Sector) تیسرے سیکٹر کی ضرورت ہے جو سماجی و فلاحی اداروں اور غیر نفع بخش تنظیموں کے ذریعے ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ زکوۃ کے اجتماعی نظم کے لئے بیت المال کے قیام کی ضرورت اجاگر نہیں کرتا؟

آخری بات:

اللہ کی آخری کتاب نے اہل ایمان کی صفت یہ بتائی ہے کہ ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حصہ ہے (قرآن ۲۴:۷۰) رحمۃ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لئے محنت اور دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات میں عبادت کرنے والے، دن میں روزہ رکھنے والوں کی طرح ہیں (بخاری)۔ اسی طرح آپ نے ایک غریب صحابی کو کلہاڑی میں خود لکڑی لگا کر دی کہ وہ لوگوں سے سوال کرنے کے بجائے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں فروخت کریں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر عزت وخوشحالی کی زندگی بسر کریں۔ دوسری طرف آپ نے وارننگ دی اور وعید بھی سنائی کہ جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت ونگرانی کا وعدہ ختم ہے۔ (مسند احمد) انہی ارشادات وہدایات کی روشنی میں علمائے کرام وفقہاء عظام نے کہا ہے کہ ایک مسلم سوسائٹی میں تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا اس سوسائٹی کیلئے اجتماعی طور پر فرض کفایہ ہے۔

مقاصد شریعت کی تشریح کرتے ہوئے امام غزالیؒ، امام شاطبیؒ وغیرہ نے اس کا مقصد انسانوں کے دین، جان، مال، نسل اور عقل کی حفاظت کو قرار دیا ہے۔ دین اور جان کی حفاظت انسانوں کی بنیادی ضروریات جس میں غذا، صحت اور مکان کی حفاظت شامل ہے، کی فراہمی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس لئے غربت کے خاتمے اور تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی ایک مسلم سماج وسوسائٹی کی ذمہ داری ہے۔

جسٹس سچر کمیٹی کی رپورٹ ہو یا ڈاکٹر ارجن سین گپتا کمیشن کی رپورٹ، شاہدہ سے شیاموکی کی دردناک داستان، ملینیم ڈیولپمنٹ کے اہداف میں تیسرے سیکٹر کی ضرورت کی بات ہو، ہر باشعور مسلم مرد وخواتین کو آواز دے رہی ہے کہ وہ نماز، حج اور روزہ کی طرح زکوۃ کے لئے بھی اجتماعی نظم کا آغاز کریں۔ پورے ملک کی ۱۵ ارکروڑ مسلم آبادی میں ایک تہائی بھی صاحب نصاب ہوں تو ہزاروں کروڑوں روپئے بیت المال میں فراہم ہوسکتے ہیں جس سے منصوبہ بندی کے ساتھ جنوبی افریقہ اور ملیشیا کے نمونوں کو سامنے رکھ کر غریبوں اور معذوروں کی مستقل مدد کی جاسکتی ہے اور محتاجوں کو سرمایہ و ہنر اور صنعت وحرفت کی فراہمی سے خود کفیل بنا کر صاحب نصاب کی سطح پر اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کا آغاز بستیوں اور شہروں کے محلوں سے پانچ، چھ افراد کی کمیٹی سے کیا جاسکتا ہے اور یہ افراد ایسے ہوں گے، جن میں جذبہ (Spirits) بھی ہو اور مہارت وصلاحیت (Skills) بھی۔ جذبہ خالص اور صلاحیت کی حامل شخصیات آگے بڑھ کر اس کام کی ابتدا کریں تو ان شاء اللہ چند ہی برسوں میں اس کے مثبت ومنافع بخش اثرات رونما ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالی کا وعدہ سچا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین۔ (قرآن ۶۹:۳۰)

"جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔"

بندۂ مومن کے مسائل کا واحد علاج

مولانا غلام محمد وستانوی
رکن اساسی بورڈ اکل کواں

اللہ کے بندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کی صلاح وفلاح کی ضرورت نہ ہو، اسی لئے اللہ تعالی نے دنیا و آخرت کی کامیابی اور صلاح وفلاح کے بے شمار طریقے بیان فرمائے ہیں تا کہ ضرورت مند اور اہل حاجت ان طریقوں سے اپنی کامیابی میں مدد حاصل کریں، اور طرح طرح کی آفتوں، بلاؤں، ہلاکت خیزیوں اور تکلیفوں سے نجات پائیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ شرعی طریقے ایسے ہیں، جن سے بندہ اپنی اخروی کامیابی میں مدد لے سکتا ہے، یہ سب عبادتیں ذاتی طور پر آدمی کی آخرت میں کامیابی و سرخروئی کی ضمانت ہیں، گو عارضی طور پر ان سے دنیا کا بھی کوئی نفع مل سکتا ہے، اسی طرح زراعت، تجارت، طبابت وغیرہ ایسے طریقے ہیں جن سے دنیا کی کامیابی میں مدد لی جاسکتی ہے، ذاتی طور پر زراعت وتجارت اور طبابت میں دنیاوی فوائد کا راز مضمر ہے، ہاں! عارضی طور پر آخرت کا نفع بھی مل سکتا ہے، یہ دونوں طرح کے ذرائع اور طریقے، اللہ تعالی نے کامیابی حاصل کرنے کے لئے بنائے ہیں، لیکن بعض کا تعلق ذاتی طور پر دنیا کے فائدے اور صلاح و فلاح کے حاصل کرنے سے ہے، اور بعض کا تعلق ذاتی طور پر آخرت کی صلاح وفلاح سے۔

البتہ ''دعا'' ایک ایسا طریقۂ صلاح وفلاح ہے کہ ذاتی طور پر دعا سے دنیا کا بھی فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور آخرت کا بھی، یہ صرف ''دعا'' کی خصوصیت ہے، چوں کہ شرعی اعتبار سے دعا کے ذریعہ دنیا و آخرت دونوں کا فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے اس کی اہمیت، عظمت اور وقعت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اسی لئے قرآن مجید اور حدیث شریف میں دعا کی ترغیب، اس کی فضیلت وتاکید جابجا مختلف عنوانوں سے نہایت درجے کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''ادعونی استجب لکم (المومن: ۶۰) دعا کرو مجھ سے، میں قبول کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بڑی عبادت تو دعا ہے''، نیز فرمایا: ''جس شخص کو دعا کی توفیق ہوگئی اس کے لئے قبولیت کے دروازے کھل گئے''، اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اس کے لئے جنت کے دروازے کھل گئے'' اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھل گئے''، اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالی سے کوئی چیز نہیں مانگی گئی جو عافیت سے زیادہ محبوب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی حوائج وضروریات کے مانگنے کا بھی شریعت میں حکم ہے، اور یہ بھی ارشاد ہے کہ ''قضا کو صرف دعا ہٹادیتی ہے''، اور ارشاد ہے کہ ''احتیاط وتدبیر سے تقدیر نہیں ٹلتی'' اور دعا نازل شدہ بلا کے لئے بھی نافع ہے، اور اس بلا کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلا نازل ہوتی ہے اور ادھر سے دعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے، اور دونوں میں قیامت تک کشتی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ دعائیں تمام تر تدبیروں، احتیاطوں اور ذریعوں و وسیلوں سے زیادہ مفید ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت سے پہلے بھی دعا کرتا رہے، اس کی برکت سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ نازل ہونے والی بلا ٹل جاتی ہے، اور مصیبت نہیں آتی، یہ بھی پتہ چلا کہ دعا کے قبولیت کی یہ شکل ہوتی ہے کہ آنے والی مصیبت کو اللہ تعالی دعا کی قبولیت کی برکت سے ٹال دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ دعا خوب کرنا چاہئے، دعا کر کے نہ بددل ہو، نہ مایوس، دعا میں مشغول رہے، اسی میں بندے کے لئے سراسر خیر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالی کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز قدر ومنزلت کی نہیں'' اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''جس شخص کو یہ بات پسند

ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور شدائد میں اس کی دعا قبول فرمالیا کریں تو اس کو چاہئے کہ خوش عیشی اور راحت و آرام کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے''، یہ بھی فرمایا کہ ''دعا میں ہمت نہ ہارو، کیوں کہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا''۔

کس قدر احادیث میں دعا مانگنے کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے! پھر بھی خدا کے بندے، عطا کرنے والے خدا سے نہیں مانگتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے، اور آسمان و زمین کا نور ہے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلا زدہ قوم پر گذر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعا میں اڑ جائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو، خواہ سر دست اسکو دیں، یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مانگی ہوئی دعائیں رائیگاں نہیں جاتیں قبول ضرور ہوتی ہیں، مگر قبولیت کے انداز جداگانہ ہیں، کبھی وہی مانگی ہوئی چیز مل جایا کرتی ہے، اور کبھی اس کے لئے جمع کر دیا جاتا ہے، اور ابھی اوپر گذرا کہ کبھی دعا کی برکت سے بلائیں ٹل جاتی ہیں، غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے، لیکن اس کے باوجود دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو ''عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی'' دعا سے بالکل بے رغبتی اور قطعاً بے توجہی ہے، حتی کہ جو معمولی اوقات دعا کے ہیں جیسے پنجوقتہ نمازیں، آدمی نماز کا پابند بھی ہے، مسجدوں میں آمد و رفت کا معمول بھی ہے، پھر بھی سوائے آموختہ سا پڑھ لینے اور رٹی رٹائی انداز کی دعا مانگ لینے کے بالکل الحاح وزاری اور دلچسپی کا اثر تک نہیں پایا جاتا، اور یہ سمجھ کر بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کا ذکر ہی کیا، کہ یہ عرض داشت اللہ کی جناب پاک میں پیش کر دینا، اور بار بار درخواست کرنا کامیابی کا ایک مؤثر اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ ہے۔

جس طرح اپنی بعض ضرورتوں کی خاطر دنیا کے امرا وحکام اور اولوالأمر کے سامنے، بار بار التجا کر کے اپنی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح دعا کر کے بار بار الحاح وزاری کا طرز اختیار کر کے اپنی ضروریات پوری کرنے کی درخواست کرنا چاہئے، دنیا میں بار بار جا کر اپنی عرضی پیش کرنے سے امرا و حکام سے روز بروز امیدیں اور بڑھتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کرنے سے امیدیں مزید بڑھنی چاہئے۔

لیکن ہم سارے کام اسباب کے تحت، تدبیروں کے ذریعے انجام پذیر دیکھنا چاہتے ہیں، اور دعاؤں کا سہارا نہیں لیتے، کبھی کوئی شاذ و نادر موقع ایسا آتا ہے کہ جب کام بالکل نہیں چلتا تو دعاؤں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لیکن اس میں بھی ایسا کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں منقول دعاؤں کی طرف رجوع نہیں کرتے، کوئی بھی وظیفہ اور عمل اپنے مقصد برآری کے لئے شروع کر دیتے ہیں، اور اس کی فکر بہت کم ہوتی ہے کہ یہ وظیفہ شریعت کے موافق ہے یا شریعت کے خلاف، پھر جب وہ کام ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تو پورے دین ہی سے بدظن ہو کر بے عمل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اس لئے دعاؤں کے لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ زیادہ تر انہیں الفاظ میں دعائیں مانگنے کا اہتمام کرنا چاہئے، جو قرآن وحدیث میں منقول ہیں، اس لئے کہ ان الفاظ میں دعائیں مانگنے میں یہ راز مضمر ہے کہ گویا ہم حاکم سے عرض و معروض انہیں الفاظ و مضامین میں کر رہے ہیں، جو حاکم نے خود بتلایا ہے، تو اس مضمون کی قبولیت میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا، اسی طرح جو دعائیں اللہ رب العزت نے وحی جلی کے ساتھ قرآن کریم اور وحی خفی کے ساتھ احادیث میں بتلادی ہیں، وہ بلاشک اقرب الی الاجابۃ ہیں۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان منقول دعاؤں میں جس قدر دینی و دنیوی ضرورتوں کی رعایت رکھی گئی ہے، اگر ہم لوگ قیامت تک بھی سوچیں تو ممکن نہیں کہ ایسے جامع مضامین تجویز کرسکیں، تیسری بات یہ ہے کہ بعض اوقات اپنی طرف سے اپنے الفاظ میں دعا مانگنے سے سوء ادب ہو جاتا ہے، جس سے وہ دعا قبول کیا ہو، الٹی وبال جان اور خطرۂ زیست بن جاتی ہے، جس طرح کسی صحابیؓ نے صبر کی دعا کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بلا کی درخواست کی۔

غرض یہ کہ دعا ایک اہم ترین عبادت ہے، دینی و دنیاوی مسائل کا حل ہے، مسنون و منقول دعاؤں کا اہتمام زندگی کا اصل سرمایہ اور آخرت کی کھیتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دعاؤں کا اہتمام کرنے والا بنائے۔ (آمین)

اسلامی وغیر اسلامی زندگی اور ہمارا طرز عمل

مفتی احمد نادر القاسمی

(اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

دنیا کی تمام تہذیبیں، یونان ومصر وروما سے لے کر بھارت کی سنسکرتی تک سب وقت وحالات کی تبدیلیوں کے ساتھ دم توڑ چکی ہیں، ان تمام تہذیبوں کے ختم ہوجانے کے پیچھے جو اسباب ووجوہات تھیں وہ یہ کہ وہ اپنے اندر پوری انسانی زندگی کا فلسفہ اور مرتب ومکمل نظام ودستور نہیں رکھتی تھیں، تہذیبی تاریخ کی ورق گردانی سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کئی ادوار ان تہذیبوں پر ایسے بھی آئے جن میں ان کے متبعین نے انہیں زندہ کرنے کی جدو جہد بھی کیں، لیکن چونکہ ان میں کوئی لچک (Flexibility) اور الہیاتی، (Sarce) نہیں تھے اور نہ ہی وہ صلاحیت ان کے اندر تھی جو بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو پورا کرسکتیں اور انسانی مزاج ومذاق کی رعایت اور حالات وزمانہ کے ساتھ آگے بڑھ سکتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تہذیبیں شکست وریخت سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکیں، اور بقول ڈاکٹر علامہ اقبال:

یونان ومصر وروما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام ونشاں ہمارا

اور حالات وزمانے کے تغیرات، تازہ انسانی افکار وخیالات اور ہر لحہ تازہ پسند بشری طبائع کے آگے انہیں بالآخر سپر ڈالنا پڑا۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا نظام زندگی ہے جو ہر زمانے، ہر تغیر اور ہر سوچ کو نہ صرف یہ کہ اپنے اندر جگہ دیتا ہے، بلکہ اسے صحیح رخ اور دیشا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، انسان کی ہر میدان میں رہنمائی کا سامان مہیا کرتا ہے، اسلامی تہذیب اور اسلامی نظام حیات کی اگر آپ بنیاد تلاش کرنا چاہیں تو آپ کو ایک ہی فلسفہ ملے گا اور وہ ہے ''مکارم اخلاق''، رحمت للعالمین آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اس تہذیبی قضیہ کی وضاحت فرمائی۔ ''بعثت لأتمم مکارم الأخلاق'' (کہ میں اخلاق وکردار اور کیریکٹر (Character) کے اعلی قدروں کی تکمیل کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں)

اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس کا غالب حصہ خدمت خلق اور انسانیت نوازی پر مشتمل ہے، اسلام خدمت خلق کو کبھی تاجرانہ اور منافع بخش نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اسلام کی ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اس نے کبھی زبانی بات نہیں کی، بلکہ ہر چیز کا عملی نمونہ پیش کیا اور ہر عمل میں عبادت کا رنگ شامل کیا اس اعتبار سے یہ کہنا قطعی بے جا نہیں کہ ''اسلام عابدانہ مذہب ہے'' اس کی ہر چیز جس کا مقصد رضائے الہی ہو عبادت کے زمرے میں آتی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے مسکرا کر ملتا ہے تو بھی مال صدقہ کرنے کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔

جہاں تک اسلامی اور غیر اسلامی زندگی کے درمیان موازنہ اور اس کے معروضی تجزیہ کی بات ہے تو اس کے کئی پہلو ہیں، سماجی، سیاسی، اقتصادی، نظریاتی، اور ثقافتی ان تمام زاویوں سے تجزیہ وتحلیل کا یہ موضوع متقاضی ہے، اور سلسلہ وار ایک سیریز درکار ہے، اس مضمون میں ہم ''اسلامی اخلاقیات'' کے چند پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے جن سے انسان کا سب سے پہلے مرحلہ میں سابقہ پڑتا ہے۔

اسلامی زندگی کی اساس:

اسلامی زندگی کا بنیادی پتھر توحید باری کا اقرار، ایمان اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی پیروی واتباع ہے، اور ہر طرح کی اخلاقیات اسی سے وجود میں آتی ہے'' وما أتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا'' (سورہ حشر: ۷)

تہذیبی علامتیں:

سماجی اعتبار سے دیکھا جائے تو سماج چونکہ انسان کے باہمی روابط، میل ملاپ، طور طریقہ اور طرز زندگی، روحانی انداز، کلچرل روایات اور ثقافتی دائرے میں انجام دئے جانے والے کام سے جو ظاہری شکل نمودار ہوتی ہے، اسے شعار

کہا جاتا ہے، اور اسی کو اس کی تہذیب کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

اسلامی زندگی اخلاق، شرافت، نرم خوئی، حقوق کی پاسداری، انسانیت کی تعمیر، انصاف پسندی، اعتدالی روش اور صدق وصفا سے عبارت ہوتی ہے، نسلی عصبیت، ظلم و ناانصافی، کردار کشی، بغض وحسد، کینہ کپٹ غرض کہ کوئی منفی (Negativ Approach) اس کے دور سے بھی نہیں گذرتی، خواہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی امور ہر مقام پر عدل وقسط اسلامی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔

انسانی اور شرعی اخلاقیات:

انسانی اخلاقیات اور دینی اخلاقیات میں فرق ہے، البتہ کبھی کبھی دونوں ایک ساتھ بھی جمع ہوجاتے ہیں، مگر یکسر جداگانہ ہوتے ہیں، وہ اس طرح کہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بسا اوقات ایک چیز انسان کی خواہش کے مطابق عین فطری معلوم ہوتی ہے، مگر شریعت اس کی نفی کرتی ہے، مثلا شراب نوشی، زناکاری، عریانیت وغیرہ آوارہ معاشرے میں اسے طرز زندگی (Life Style) سمجھا جاتا ہے، مگر شریعت اس پر ضرب لگاتی ہے، خواتین کی اپنی غرض کے لباس و پوشاک عریاں یا نیم عریاں کو عین تقاضۂ فطرت اس کی بشری آزادی اور آزادیٔ طبع کی علامت تصور کیا جاتا ہے، مگر شریعت اور اسلام اس کی نفی کرتا اور ستر پوش لباس زیب تن کرنے کی ہدایت کرتا ہے اس طرح دینی اور انسانی اخلاقیات باہم متصادم ہوتی ہیں، ایماندار اور اطاعت شعار معاشرہ شریعت کی طے کردہ حدود کو دنیوی واخروی لحاظ سے سکون اور طمانیت کا ذریعہ تصور کرتا ہے، اور اسی کے مطابق زندگی گذارنا چاہتا ہے، جبکہ غیر شرعی اور بے دین معاشرہ ان حدود وقیود سے آزاد ہوتا ہے۔

اسلامی زندگی کے فوائد:

اسلامی معاشرے کے افراد ہمیشہ دنیا میں بھی چین وسکون اور اطمینان و راحت سے بہرور، مایوسی سے دور اور صبر وقناعت کے خوگر ہوتے ہیں، جبکہ غیر اسلامی معاشرے کے افراد مایوسی، بے چینی اور بے صبری کا شکار ہوتے ہیں، ہر جگہ مایوسی ہی ان کے ہاتھ آتی ہے وہ تذبذب کا شکار رہتا ہے، اس معاشرے کی جو سب سے بڑی کمی ہے وہ یہ کہ اس کا پیروکار انسان ہمیشہ ڈاواں ڈول کی کیفیت میں کہ اگر ایسا کرتے تو ایسا ہوتا، ایسا نہ کرتے تو ایسا نہ ہوتا، اس طرح کی صورت اکثر غیر اسلامی معاشرے میں پائی جاتی ہے۔

معاشرتی ضروریات میں اشتراک:

اسلامی معاشرے کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہاں باہمی اجتماعی امور میں اشتراک وتعاون پایا جاتا ہے، ہر شخص اپنی ذاتی دلچسپی سے بغیر کسی دباؤ کے اس میں حصہ لیتا اور ہاتھ بٹاتا ہے، خلوص وللّٰہیت کا مظاہرہ کرتا ہے، کسی طرح کی بھی مادی منفعت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا ہے، بلکہ اس میں حصہ لینے کو اپنے لئے زندگی کا خوبصورت لمحہ تصور کرتا اور باعث افتخار و وقار اور عزت کی بات سمجھتا ہے۔ اگر آپ اس کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو گاؤں دیہات کی سماجی زندگی میں کیا مسلم اور کیا غیر مسلم ہر ایک کے یہاں اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں، آج بھی دیہی علاقوں میں اس کا رجحان پایا جاتا ہے، وہ معاشرہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”من استطاع منكم أن ينفع أخاه، فليفعل“ اور: ”خير الناس من ينفع الناس“ (کہ تم میں کا کوئی شخص اگر اس کی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے بھائی کو اپنی ذات سے نفع پہونچا سکتا ہے تو ضرور پہونچانا چاہئے، اور یہ کہ تم میں کا بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لئے نافع ہو۔) کا پوری طرح پرتو معلوم ہوتا ہے۔

قرآنی ونبویؐ اخلاقیات اور طرز زندگی:

اسلامی شریعت اور دینی طرز حیات کی یہ بھی خصوصیت ہیکہ وہ انسان کے طرز زندگی اور انداز معاشرت کو کتاب وسنت پر مبنی اخلاقیات میں ڈھالنا چاہتا ہے، انسانی معاشرے کو قرآنی اور نبوی اخلاقیات کا حقیقی نمونہ بنانا چاہتا ہے، وہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جس دل میں ایمان نہیں وہ دل نہیں، بلکہ ویران کھنڈر ہے، اور جس معاشرے میں دین واخلاق نہیں وہ معاشرہ انسانوں کا معاشرہ نہیں، بلکہ جانوروں کا باڑھ ہے، جس انسان میں ایمانی تقاضوں پر مبنی انسانی اخلاق نہیں وہ انسان نہیں بلکہ چلتی پھرتی لاش ہے، جس طرح بنجر زمین جانداروں کے لئے مفید نہیں اسی طرح اس انسان کی شخصیت دوسروں کے لئے نافع نہیں، انسان کو اپنی ذات کو نافع بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر ایمان و دیانت، حلم و بردباری، عجز وانکساری، تواضع واخلاص، خیر خواہی ومتانت، نفس میں جود وسخا، مزاج میں رفق ونرمی، دوسروں کے ادب واحترام اور عزت نفس کا خیال، اپنی ذات پر

دوسروں کو ترجیح دینے کا جذبہ، دوسروں کے حقوق کا پاس ولحاظ، عہدو پیمان کی پاسداری اور مسولیات و ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ایمانداری، یہ وہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ ہیں جو اسلامی زندگی کا حقیقی مظہر ہیں، اور اسلامی اخلاقیات جن کا ہر مسلمان، بلکہ ہر انسان کو عادی بنانا چاہتا ہے، اور کتاب و سنت میں جن کے اختیار کرنے کا ہر ایمان والے کو مکلّف قرار دیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف بغض وحسد، کذب ودروغ گوئی، سازش وکردارکشی، غیبت واستہزاء، تمسخرو چغلخوری، گالم گلوج، بے ادبی و بے احترامی، انسانی احترام سے آزاد مذاق، بے حیائی، تکبر، جذبہ انتقام، حرام خوری، نام ونمود، ریاکاری، اسراف وتبذیر، جوا، چوری، زنا، ڈاکہ زنی، بدخواہی، دجل و فریب، تملق، شراب نوشی، بدنگاہی، حق تلفی، وناانصافی اور خودغرضی وغیرہ وہ عادات سیئہ ہیں جو انسان کو پست اور ذلیل وخوار کرتے ہیں، ان سے قرآنی ونبوی اخلاقیات انسانی زندگی کے اس کی عظمت وتکریم کے تحفظ کے پیش نظر منافی قرار دیتے ہیں۔

مسلم محلوں اور نوجوان نسل کی دینی صورت حال:

اس وقت مسلم محلوں میں جگہ جگہ فلموں کی CD، مسلم محلوں کے بازاروں میں انسانی شرم وحیا کو پانی پانی کردینے والے حیا سوز مناظر، گانا بجانا، میوزک کا چلن عام ہو چکا ہے، غلط ہونے کا تصور ہمارے معاشرے کے ذہنوں ودماغ سے رخصت ہو چکا ہے اور مسلم بچیوں کے بے ہودہ قسم کے لباس اور بے پردہ پوشاک، جس کے متعلق حضور نے فرمایا تھا کہ قرب قیامت میں کپڑوں میں ملبوس عورتیں برہنہ ہوں گی، ''الکاسیات العاریات'' کا بھرپور مظاہرہ ہو رہا ہے، ہماری بچیاں بے ہودہ قسم کے جنس پینٹ، ادھ کٹے ٹی شرٹ زیب تن کرکے گھر سے باہر بازاروں، اسکول، کالجز اور آفسز جاتی ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ گناہ اور لعنت خداوندی کا شکار ہو رہی ہیں بلکہ اپنے وقار اور نسوانی شرافت کو مجروح کر رہی ہیں یہ ہمارے لئے اصلاح وتربیت کے لحاظ سے لمحہ فکریہ ہے۔

اپنے بچوں کے تعلق سے والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا خیال کریں، بچوں کو اسلامی آداب، اسلامی طور طریقوں اور اسلامی لباس و پوشاک کے بارے میں نہ صرف یہ کہ بتائیں، بلکہ انہیں اس کا عادی بنائیں ان کی اخلاق مندانہ تربیت کریں، تاکہ ان کے ذریعہ صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل پائے۔ آج بچوں کی صحیح تربیت نہ ہونے کا ہی نتیجہ ہےکہ مسلمان بچے ناک اور کان چھیدوار ہے ہیں اوران میں بالیاں پہن رہے ہیں، گردنوں میں لڑکیوں اور عورتوں جیسی موٹی موٹی سکڑیاں اور چین، ہاتھوں میں کڑے اور دھاگے باندھ رہے ہیں، ہاتھوں اور گردنوں میں دھاگوں کی بھی عجیب وغریب کہانی ہے، ہمارے بزرگوں اور اولیاءاللہ کے مزاروں پر بیٹھے چراغی اور دان وصول کرنے والے تبرک کے نام پر بھولے بھالے لوگوں کو بہکارہے ہیں اوران کی گردنوں اور ہاتھوں میں پیلے اور گروے رنگ کے دھاگے ڈال کران کو غیر مسلموں جیسا شعار اپنانے پر مجبور کر رہے ہیں، یہ کتنی بڑی افسوس ناک بات ہے، بجائے ان کی دینی رہنمائی کرنے کے انہیں غیر اقوام کی شبیہ اختیار کرنے کی دعوت دے رہے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت کا باعث خود بھی بن رہے ہیں اور ان کو بھی اس لعنت میں گرفتار کر رہے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت کی تنبیہ فرمائی جو مرد عورتوں جیسی اور جو عورت مردوں جیسی شبیہ اختیار کرے، ''لعن اللہ المشبھین بالنساء و لعن المشبھات بالرجال'' () اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا: ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' (کہ جو شخص جس قوم کی شبیہ اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار کیا جائے گا۔) یہ کس قدر افسوس ناک ہے کہ آج بجائے دوسری قوموں کو مسلمانوں کا شعار اختیار کرنے اور متاثر ہونے کے خود مسلمان ان کا شعار اختیار کر رہے ہیں۔

مسلم خواتین کی عملی زندگی اور فرائض میں کوتاہی:

نوجوان نسل دن بدن دین سے بیزاری، اسلام سے دوری، فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور خواتین میں زیادہ وقت گھروں میں گذارنے اور صرف ضرورت کے لئے گھر سے باہر جانے کے بجائے بازاروں میں ٹہلنے اور وقت گذارنے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، وہ تمام کام جو مردوں کو انجام دینا چاہئے عورتوں نے محض باہر نکلنے کے شوق میں اپنے اوپر بوجھ لیا ہے، جس کی وجہ سے صبح دس بجے سے رات کے تقریباً دس بجے تک بازاروں میں خواتین ہی کی بھیڑ امڈی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اور یہ روز کا معمول بن چکا ہے، اور یہ

کسی ایک جگہ کی بات نہیں بلکہ تمام شہروں کا یہی حال ہے، یہ صورت حال اسلامی طرز معاشرت کے قطعاً منافی ہے، دینی حمیت رکھنے والے افراد و اشخاص کی طرف سے اس صورت حال کی اصلاح کی جانی چاہئے اس سے مسلم خواتین کی پروقار زندگی مجروح ہورہی ہے، وہ اللہ کی لعنت وغضب کا شکار ہورہی ہیں۔

خواتین میں نماز سے کوتاہی کا رجحان:

دوسری طرف ہمارے مسلم معاشرے کی خواتین میں عبادت وریاضت صوم وصلوۃ کی پابندیاں بھی کم پائی جاتی ہیں، ظہر، عصر، مغرب، اورعشاء کے اوقات میں اتنی بڑی تعداد میں برقعہ پوش خواتین بازاروں میں دیکھ کر یہ خیال دل میں گذرتا ہے جوایک فطری بات ہے کہ آخران اوقات میں بازاروں میں ان کا رہنا یقیناً اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان خواتین میں نماز کی پابندیاں نہیں پائی جاتیں، یا نماز سے انہوں نے خود کومستثنیٰ کررکھا ہے، آج ہمارے گھروں میں، ہماری کمائی اور رزق میں بے برکتی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری خواتین دین سے دور ہیں اور آخرت کی جوابدہی الگ رہی، اس پر توجہ کی ضرورت ہے، اس زندگی کوکسی بھی لحاظ سے کامیاب زندگی نہیں کہا جاسکتا جس میں اللہ کی فرمانبرداری نہ ہو:

زباں سے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمارے یہاں مرد وخواتین میں یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ جوانی میں کہا جاتا ہے کہ ابھی عمر ہی کیا ہوئی ہے، ابھی پوری زندگی پڑی ہے وقت آئے گا تو نماز روزہ کرلیا جائے گا، یہ ایمان کے منافی تصور ہے، شرعی اعتبار سے جب کوئی لڑکا پندرہ سال کا ہوجائے تو اس پر وہ شریعت کا مکلّف ہوجاتا ہے، اس پر اسلام کے تمام ارکان فرض اور متوجہ ہوجاتے ہیں، اور جب کوئی بچی بارہ سال کی ہوجائے تو اس پر نماز روزہ اور مالدار ہوتو زکوۃ وحج بھی فرض ہوجاتے ہیں یہ کہہ کے کہ ابھی عمر ہی نہیں ہوئی اور فرائض سے غفلت برتنا حرام عمل ہے، زندگی ایک مہلت عمل ہے جتنا بھی وقت مل جائے اس میں فرائض سے غفلت نادانی ہے،" ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء أجلها واللہ خبیر بما تعلمون "(سورہ منافقون:۱۱)

رسوم ورواج کی پیروی:

آج ہمارا پورا معاشرہ اور ہماری زندگی کا غالب حصہ رسوم و رواج اور لایعنی عمل پر مشتمل ہے، اسراف، ترفع، ریاکاری، شادی بیاہ، رہائش اور لباس وپوشاک میں تفاخر اور برتری، غیر ضروری چیزوں کوضرورت کا درجہ دے کرخطیر سرمایہ اس پر خرچ کرنا، تقریبات میں فخر ومباہات کا مظاہرہ، ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے، مسلمانوں کی دولت کا 70% اس پر ضائع ہورہا ہے، اوراس پر طرفہ یہ کہ دانشوروں کی طرف سے یہ واویلا کہ قوم پسماندگی کا شکار اور زوال پذیر ہے، جواسباب زوال امت ہے اس پر نظر نہیں، اور جواسباب نہیں اس پر ہنگامہ، کبھی خواتین کے برقعہ کوپسماندگی کی وجہ تو کبھی صنف نازک کی اعلیٰ تعلیم اور ملازمت سے دوری تو کبھی ان کی آزادی سلب کئے جانے کا شکوہ اسی قسم کی غیر منطقی باتوں کو ایشو بنانے کا سلسلہ آئے دن رہتا ہے اوران چیزوں پر نظر اس لئے نہیں جاتی کہ اس میں براہ راست ان کی اپنی Life Style زد میں آتی ہے۔

رمضان کی ناقدری وبے حرمتی:

رمضان کے ابتدائی ایام میں بڑا زور وشور رہتا ہے مسجدیں بھری رہتی ہیں اور پہلا عشرہ ختم ہوتے ہوتے مسجدیں خالی اور بازار آباد ہوجاتے ہیں۔ کہیں تین دنوں کی تراویح تو کہیں سات دن تو کہیں دس دنوں کی تراویح کا شور، اس طرح کی عبادتیں روح عبادت سے خالی ہوتی ہیں، روحانیت اور عبادت کو آج ہم نے تفریح طبع کی چیز بنالی ہے، عبادت کو عبادت کی طرح ادا کیا جائے پورے رمضان ۲۷ ردنوں کی تراویح کا اہتمام کیا جائے، رمضان میں دن میں چائے اور کھانے کے ہوٹلس کھلے رہتے ہیں، رمضان کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر لوگ کھاتے پیتے رہتے ہیں، یہ بات ایک مسلم معاشرے کے لئے حد درجہ رنج وافسوس کی ہے، رمضان اور روزے کے احترام کا تقاضا ہے کہ روزے کے اوقات میں دکانیں بند رہیں، تلاوت قرآن، نوافل کا اہتمام اور فرائض کی پابندی ہو، اور پورے ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان المبارک کی قدر کی جائے۔

سوپر پاور

اے، امیر النساء
رکن بورڈ، چنئی

اپنے ملک کی آبادی کا اندازہ بڑے شہروں میں پہنچ کر ہی ہوتا ہے، ایک جگہ سے دوسری جگہ وقت پر پہنچ جانا کسی کارنامے سے کم نہیں، مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے نکلو پھر بھی ٹریفک میں پھنس کر دیر سے پہنچنا آج معمولات میں شامل ہو چکا ہے، کیونکہ سڑکیں تو پچاس ساٹھ سال پرانی ہیں اس حساب سے آبادی میں کس قدر اضافہ ہوا اور سواریوں کی تعداد کتنے گنا بڑھی اس کا اندازہ اگر وہیکل کمپنیاں کرنے لگیں تو شاید ایک فرد ایک کار کی بجائے ایک خاندان ایک کار کا تجربہ زیادہ بہتر ہوتا اس پر ہی بس نہیں، رتن ٹاٹا کی ہمدردیاں اب ٹو وہیلرز کے مالکان کے ساتھ ہیں بارش میں بھیگنے اور دھوپ میں جھلسنے والوں کی مشکل کو نینو کی شکل میں فور وہیلرز کو مارکیٹ میں لاکر ٹریفک کو مزید الجھانے کا مکمل انتظام ہو چکا ہے سواریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کئی مسائل کو جنم دے رہی ہے ساؤنڈ پولیوشن اور فضائی آلودگی سے نئی نئی بیماریاں وجود میں آرہی ہیں مجھے دراصل ایک کانفرنس میں شرکت کرنی تھی ٹریفک کا اژدہام سگنلز کی بہتات میرا راستہ روک رہی تھی اور مجھے وقت پر پہنچنا تھا جیسے تیسے میں کانفرنس ہال پہنچی، سیمینار کے بعد خواتین ممبرز نے سنجیدگی کے ساتھ اسلام مخالف اقوام کی بڑھتی ہوئی شرپسند حرکات سے متعلق بحث چھیڑ دی مگر مجھے اس موضوع سے اس لئے دلچسپی نہیں تھی کی ذرائع ابلاغ کی رپورٹیں مخالف اقوام کی بیمار ذہنیت کو نمایاں طور پر جگہ دے کر ان کی علالت میں مزید اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ مذہب اسلام اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ معاندانہ سلوک کر رہی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اسلام دشمن طاقتوں کی منظم سازشیں جہالت پر مبنی طفلانہ حرکتیں ہیں، دوران بحث محفل میں شریک ایک خاتون نے ڈنمارک کے پلید اخبارات کا ذکر کیا جس میں اہانت آمیز کارٹونز کی اشاعت کی گئی تھی، اس کے علاوہ ہالینڈ کی قرآن مخالف فلم ''فتنہ'' بھی زیر بحث رہی جسے رکن پارلیمنٹ گیرٹ وائلڈرس نے تیار کی تھی، اس فلم میں قرآن پاک کا موازنہ فسطائی نظریات کی حامل کتاب سے کیا گیا ہے۔

ا۔ پوپ بینڈکٹ کا اسلام کے خلاف بیان کے اسلام تشدد کے سہارے پھیلا انہیں مزید تشویش میں مبتلا کر رہا تھا مگر انہیں نہیں پتہ کہ اس قسم کے بیانات سے وہ خود اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہے ہیں۔ یہ وہ صدا بہار مذہب ہے جس کی جتنی بھی شاخیں تراشو گے اتنی ہی تیزی کے ساتھ اسکی کونپلیں پھوٹیں گی، آج مغربی ممالک میں جتنی تیزی کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے ان کی اپنی سازشوں کا نتیجہ ہے ان کی اسلام مخالفت نے ان کی اپنی قوم کے اندر اس مذہب کو گہرائی کے ساتھ جاننے کا اشتیاق پیدا کر دیا ہے اور اس مذہب کی سچائی واضح انداز میں رونما ہونے لگی ہے، پچھلے دنوں اس شیطان جیسے لوگ گیرٹ وائلڈرس کے نام سے جانے جاتے ہیں، قرآن مجید پر پابندی عائد کرنے کا مطالبہ اپنی حکومت سے کیا تھا اور قرآن پاک کا موازنہ ہٹلر کی کتاب Mein Kampt سے کرتے ہوئے سے تشدد اور منافرت پھیلانے والی کتاب سے کہا تھا اور فلم فتنہ میں قرآن مجید کی توہین کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ عدم رواداری، تشدد، قتل، دہشت گردی کی ترغیب دیتے ہیں! نعوذ باللہ، ایک اور خاتون نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ ڈنمارک کا شیطان انڈر زگر اہانت آمیز کارٹونز کو اکھٹا کر کے اس کی نمائش کرنے والا ہے، اس کے علاوہ ڈچ فلمساز Van Gogh نے اپنی فلم میں ایک برہنہ عورت کے جسم پر قرآنی آیات تحریر کر کے مقدس کتاب کی بے حرمتی کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ دراصل ان کی ساری طاقت اس بات پر ہے کہ کسی طرح لوگ اس

پروپیگنڈے کا حصہ بن جائیں اور انہیں کامیابی مل جائے۔ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر کے انہیں تسکین ملتی ہے ان کی پوری مشنریاں اس محاذ پر لگی ہوئی ہیں ایک رزیل مصنف رابرٹ اسپنسر نے نبی کریم ﷺ کی کردارکشی کیلئے ایک بے ہودہ کتاب MOHAMMAD FOUNDER OF THE WORLD'S MOST INTOLARANT RELIGION کے عنوان سے تحریر کی ہے، اس کتاب کو ایک امریکی تنظیم اور کثیر الاشاعت ہفت روزہ ہیومن ایونٹس نے کروڑوں ڈالر خرچ کر کے اس کتاب کو میلاد النبی ﷺ کے موقع پر لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کی ہے:- بحث طول پکڑ رہی تھی، میں نے اس کا رخ ایک حالیہ واقعہ کی طرف موڑا وہ جو خود کو سپر پاور سمجھتا ہے اور اسے زعم ہے اپنی بے پناہ طاقت کا اور جو صحیح معنوں میں سپر پاور ہے اس کی حقیر سی تخلیق جیسے حشرات الارض کے آگے بھی کبھی کبھی ان کے کل فنی اور تکنیکی وسائل اور ان کی پوری حکومتیں بے بس ہو جاتی ہیں۔ پچھلے دنوں میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک بحری جہاز کے ذریعہ امریکی ریاست ٹیکساس میں پہونچنے والی اربوں چیونٹیوں نے بڑی تعداد میں برقی آلات کھا جانے کے بعد ہوسٹن میں خلائی تحقیق کے امریکی ادارے ناسا کے اسپیس سنٹر کا رخ کر لیا، ذرائع ابلاغ کی رپورٹ کے مطابق بھورے رنگ کی انتہائی مختصر جسامت کی ان چیونٹیوں کی مرغوب غذا برقی آلات ہیں اب تک درجنوں کمپیوٹر چوروں سے خبردار کرنے والے الارم سسٹم بجلی کے میٹر آئی بورڈز ٹیلی فون ایکسچینج ان کی خوراک بن چکے ہیں، امریکی ماہرین کے مطابق حشرات الارض کیڑے مکوڑوں کے خاتمے کے لئے استعمال ہونے والا زہریلا اسپرے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا یہ چیونٹیاں جنہیں کریزی اسبری اینٹس کہا جاتا ہے قطار میں نہیں چلتیں امریکی حکام کے مطابق اس وقت یہ چیونٹیاں ریاست ٹیکساس کے ۵/اضلاع میں پھیل چکی ہیں حکام کے مطابق ٹیکساس یونیورسیٹی کے ماہرین اس مسئلے سے نمٹنے کے طریقوں پر غور میں مصروف ہیں: اس اخباری رپورٹ کے جواب میں ایک خاتون نے کہا کہ ان ناپاک اور فتنہ پرور سازشوں کا یہ حل نہیں کہ ہم جوابی کارروائی کرنے کے بجائے صرف قدرتی آفات کے منتظر رہیں اور انہیں من مانی کرنے دیں، کہا جاتا ہے کہ یورپیین اسٹیٹ میں عیسائیت اور ان کے رہنماؤں کے خلاف کچھ بھی کہنا قانوناً منع ہے، کیا ہمارا مذہب اور ہم اتنے کمزور ہیں کہ ان کی فتنہ انگیزیوں کو تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہیں؟

میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری ساری کوششیں اس بات پر لگائیں اور ہر وہ دروازہ اور کھڑکی بند کر دیں جہاں سے مذہبی تعصب کی مسموم ہوائیں چلتی ہوں منافرت کی آگ پھیلتی ہو بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ حالیہ واقعات دور ماضی کی روایات سے جڑے ہوئے ہیں، اسلام ہر دور میں غالب آتا رہا اور تارک اسلام کو شکست ہوتی رہی، موجودہ حالات کے تناظر میں دور ماضی سے تقابلی جائزہ شاید ہماری سوچ میں تبدیلی لائے،

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہۃ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں بہت بڑا گرجا تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج وعمرہ کے لئے ادھر آیا کریں یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کیلئے سخت ناگوار تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو کردی گئی کہ کسی نے اس کے گرجا کو ناپاک کر دیا ہے، جس پر ابرہہ نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے جب یہ لشکر وادی محسر کے پاس پہنچا تو اللہ پاک نے پرندوں کے غول بھیج دیئے جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کی دال کے برابر تھیں جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر وہ مرجاتا، خود ابرہہ کا بھی صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا، اس طرح اللہ پاک نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی! ابرہہ کے لشکر نے محمد ﷺ کے دادا عبدالمطلب جو مکہ کے سردار تھے کے اونٹوں پر قبضہ کر لیا جس پر عبدالمطلب نے ابرہہ سے کہا تو میرے اونٹ واپس کردے جو تیرے لشکروں نے پکڑے ہیں جس پر ابرہہ نے کہا تم بھی کیسے آدمی ہو چند اونٹوں کی تمہیں فکر ہے اور تمہارے عبادت خانہ جسے ڈھانے کے لئے میں اور میرا لشکر آیا ہے اس کی تمہیں فکر نہیں جواب میں عبدالمطلب نے کہا کہ اونٹوں کا مالک میں ہوں جس کی حفاظت میرے ذمہ ہے باقی رہا کعبہ کا مسئلہ جسے ڈھانے کے لئے تو آیا ہے وہ تیرا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے تو جانے اور بیت اللہ کا مالک جانے!

ماہ صیام مبارک ہو!

مکرمی ومحترمی/مکرمہ ومحترمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

سب سے پہلے ہم آپ کو آنے والے رمضان المبارک کی مبارک باد دینا چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ اس مہینہ کے فیوض وبرکات سے آپ کو ہر طرح مستفید ہونے کا موقع دے اور اپنی رحمتوں سے نوازے۔ آپ کے صیام وقیام اور طاعات وعبادات کو قبول فرمائے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ پورے ملک کے مسلمانوں کی جملہ تنظیموں مختلف مسالک کے لوگوں علماء وقانون دانوں اور دوسرے طبقوں کے باا ثر لوگوں کا ایک متحدہ ومتفقہ پلیٹ فارم ہے۔ جس کا مقصد شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کا تحفظ ہے، یہ بورڈ ۱۹۷۲-۷۳ء میں قائم ہوا اور الحمدللہ آج تک یہ اپنی بنیادی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے۔ ملک کے مختلف بڑے شہروں میں اس کے ۲۰ (بیس) بڑے اجلاس اور اس کی عاملہ کے ۸۷/اجلاس منعقد ہو چکے ہیں نیز اس کی ۳۹/کتابیں/کتابچے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

رمضان المبارک کی مناسبت سے آپ سے چند باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں، سب سے پہلی بات یہ کہ اپنے علاقہ میں اپنے حلقہ کے علماء وائمہ کو شخصی طور پر جمعہ کے خطبہ میں شریعت اسلامی کی اہمیت اور مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل وضروریات عوام کے سامنے بیان کرنے کے لئے متوجہ کریں۔ نکاح میں سادگی سے کام لینے، طلاق میں جلدی نہ کرنے، وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے کے شرعی احکام کو بطور خاص بیان کریں۔ مہر نقد ہو یا نقد نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کے جلد ادا کرنے کی تاکید کی جائے۔ اسلام میں عورتوں کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں اور مردوں کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کو مؤثر انداز سے بیان کیا جائے۔ ایک صالح مسلم معاشرہ کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ ایسا صالح اسلامی معاشرہ جس میں والدین سے لے کر تمام بھائی، بہنوں، بیوی بچوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق اسلامی بنیادوں پر ادا ہوں۔ ان تمام موضوعات پر ائمہ مسلسل وعظ وخطبات دیں۔ ایک بات یہ بھی ضرور بتائی جائے کہ اگر میاں بیوی یا دیگر اہلِ خاندان کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس کو سرکاری عدالت میں لے جانے کے بجائے آپس میں علماء کے مشورہ سے یا دارالقضاء میں قاضی شریعت کے سامنے پیش کر کے فیصلہ کرالیں، یہ آسان ہے اور اس میں مسلمانوں کی عزت بھی قائم رہتی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان اور مدعوئین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلک، برادری یا علاقہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو آپس میں تفریق پیدا کرنے سے روکیں اور کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومنظّم رہنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ دینی تعلیم کا بھی بالواسطہ مسلم پرسنل لا کے مسئلہ سے گہرا تعلق ہے۔ ہمارے صرف پانچ فی صد بچے ہی مدرسوں اور دینی مکاتب میں پڑھتے ہیں۔ باقی بچے اور بچیاں اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان کے والدین خاص کر انگلش میڈیم اسکول اور عیسائی مشنریوں کے اسکولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے اگر خصوصیت کے ساتھ تمام بچوں کو چھ سال سے گیارہ سال کی عمر کے درمیان دینی تعلیم سے آراستہ نہیں کیا گیا تو وہ شریعت اسلامی سے واقف ہی نہیں ہوں گے تو وہ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دینی تعلیم سے قطعی محروم رہ

جائیں گے۔ جیسا کہ آپ بہت سارے مسلم مرد وعورتوں کو جو صرف جدید تعلیم یافتہ ہی ہیں دیکھ رہے ہیں کہ وہ محض چند رسمی عبادتوں کو ہی اسلام سمجھتے ہیں اور ان کی پوری زندگی پر غیر اسلامی تہذیب چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ الحمدللہ اس کا احساس ملک میں پایا جا رہا ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ ارکان بورڈ و مدعوئین اور ائمہ مساجد، خاص کر خواتین ارکان بورڈ اور سماجی کارکنان نیز مسلمانوں میں دینی شعور کی بیداری کے لئے کام کرنے والے حضرات زیادہ سے زیادہ متوجہ ہوں۔

ہمارے سامنے ایک اہم مسئلہ بورڈ کے مالی استحکام کا ہے۔ بورڈ کے مقاصد کی اشاعت اور اصلاح معاشرہ سے متعلق ضروری و مفید لٹریچر کی تیاری اور اسے پورے ملک میں بھیجنا، ملک کے مختلف شہروں میں دارالقضاء کا قیام اور باصلاحیت قاضی کا تقرر نہایت ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے خانگی مسائل ان کے اپنے ماحول میں ہی طے پا جائیں۔

مختلف عدالتوں جیسے ہائی کورٹس و سپریم کورٹ میں ہمارے خلاف دائر ہونے والے رٹ پٹیشن اور دوسرے مقدمات کا دفاع بھی ایک لازمی کام ہے۔ بورڈ کے ذمہ داروں کو کبھی کبھی مرکزی و ریاستی حکمرانوں اور سیاست دانوں سے بھی رابطہ پیدا کرنا پڑتا ہے اس کے لئے وفود بھی ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں میں تفہیم شریعت تحریک کے تحت علماء اور وکلاء کے مشترک اجتماعات منعقد کرنا تاکہ فقہ اسلامی اور جدید قانون پر باہمی مذاکرات اور تبادلۂ خیال ہو سکے۔ یہ بھی ایک بہت ہی مفید اور لازمی کام ہے۔

ان سب امور کو منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر چلانے اور انجام دینے کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جب کہ آپ کے اور اہلِ خیر حضرات کے گرانقدر عطیات کے سوا بورڈ کے لئے آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اس لئے **میری آپ سے اور دیگر ارکان بورڈ سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک میں اپنے حلقہ اثر کے منتخب اہل خیر حضرات کے گرانقدر عطیات حاصل کرنے کی جدو جہد کریں، اہل خیر سے رابطہ قائم کریں اور بورڈ کے متنوع پروگراموں، منصوبوں، کاموں کی اہمیت و ضرورت اور مقاصد سے واقف کرا کران سے بورڈ کے مالیات کو مستحکم کرنے کی گذارش کریں۔**

رمضان کے اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دلوں کو نرم کر دیتا ہے اور ہر مسلمان خیر و نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ اپنی تھوڑی کوشش سے جہاں مسلم گھرانوں، خاندانوں میں آپسی تعلقات کو سدھارنے اور اصلاح لانے کی کوشش کریں، وہاں مسلمان مرد و خواتین کو بورڈ کے مالی استحکام میں بھی حصہ لینے کی جانب متوجہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی نیک کوششوں کا بہتر اجر آخرت میں عطا فرمائے گا۔

والسلام

Works\Sign Nizamuddin Sb..tif not found.

سید نظام الدین

جنرل سکریٹری بورڈ

چیک یا ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں

All India Muslim Personal Law Board
Payable New Delhi

اور اس پتہ پر بھیجیں

76A/1, Main Market, Okhla Vill. Jamia Nagar, New Delhi - 25

Ph.: 011-26322991, 26314784

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.